شاہ ولی اللہ کے اجداد گرامی

(تحقیقی معلومات)

(صحیح نسب نامہ کی جستجو، اس خاندان کا ہندوستان میں ورود و نزول ، حضرت شاہ ولی اللہ کی زوجات محترمات ، اولاد کی تفصیل اور ان کی صحیح تاریخہائے ولادت و وفات)

نور الحسن راشد کاندھلوی

حضرت شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیفات میں اپنے فاروقی النسل ہونے کی صراحت فرمائی ہے (۱)، اور الامداد فی مآثر الاجداد (۲) میں اپنے والد ماجد سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک اپنا مفصل شجرہ نسب بھی درج کیا ہے جس میں حضرت فاروق اعظم تک درج ذیل کل بتیس (۳۲) واسطے بیان فرمائے ہیں :

,,فقیر ولی اللہ ـ بن شیخ عبدالرحیم ـ بن الشہید وجیہ الدین بن معظم ـ بن منصور ـ بن احمد ـ بن محمود ـ بن قوام الدین عرف قاضی قاذن ـ بن قاضی قاسم ـ بن قاضی کبیر عرف قاضی بدھ ـ بن عبدالملک ـ بن قطب الدین ـ بن کمال الدین ـ بن شمس الدین مفتی ـ بن شیر ملک ـ بن عطا ملک ـ بن ابو الفتح ملک ـ بن عمر حاکم ملک ـ بن عادل ملک ـ بن فاروق ـ بن جرجیس ـ بن احمد ـ بن محمد شہریار ـ بن عثمان ـ بن

ماهان ۔ بن همایون ۔ بن قریش ۔ بن سلیمان بن عفان ۔ بن عبداللہ ۔ بن محمد ۔ بن عبداللہ ۔ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (۳) ، ۔

الامداد کے مطبوعہ ایک نسخہ میں عفان کے بعد دو واسطے محمد بن عبداللہ درج نہیں (۴) مگر یہ سہو کتابت ہے ، صحیح اور معروف روایت وہی ہے جو اوپر گزری ، الامداد کے ایک قلمی نسخہ (۵) اور ایسے تمام مآخذ میں جو الامداد کی طباعت سے پہلے شائع ہوئے اور ان کی اساس الامداد کے خطی نسخوں پر ہے (٦) محمد بن عبداللہ کا واسطہ درج ہے ۔

فروگذاشتیں اور صحیح نسب نامہ کی جستجو

نسب نامہ ولی اللہی میں محمد بن عبداللہ کے اضافہ کے باوجود اس نسب نامہ کے آخری وسائط کی ترتیب محل نظر (۷) ہے ، کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارہ (۱۲) صاحبزادگان میں سے کسی کا نام عفان یا محمد نہیں یا ان بارہ صاحبزادوں کے اخلاف میں محمد نامی کوئی فرد صاحب اولاد نہیں ، کئی نسلوں کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر کے ایک پوتے کا نام محمد ہے اور ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے :

,,محمد بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما،، (۸) ۔ محمد بن عبدالعزیز کے تین بیٹے ہوئے ابراهیم ۔ عبداللہ اور عیسیٰ ۔

اگرچہ کوئی تحریری شہادت میسر نہیں مگر وجدان چاھتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کا شجرہ نسب اخلاف حضرت ابن عمر کی اسی شاخ سے وابستہ و ملحق ہو ، ممکن ہے سہو کتابت یا مرور ایام سے اس میں عفان بن عبداللہ بن محمد اور حضرت ابن عمر کے درمیان عبدالعزیز کا واسطہ ترک ہوگیا ہو ۔ اگر یہ خیال صحیح ہے تو

حضرت شاہ صاحب کے نسب نامہ کے آخری وسائط اس طرح ہونے چاہئیں ۔

,,عفان بن عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ ،، یعنی عفان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک چھے واسطے جس میں تین شخصوں کا نام عبداللہ ہے ــــــــــ اس موقع پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ مذکورہ بالاسہو و ترک نسب نامہ ولی اللہی کی واحد فروگذاشت نہیں، خاندان ولی اللہی کے نسب نامہ میں عفان بن عبداللہ کے زیریں سلسلے میں بھی بعض وسائط کے فقدان اور انقطاع کا اندیشہ ہے جو عرب خاندانوں میں باہم مشابہ ناموں کے تکرار و تسلسل اور نسب نامہ کی نقل در نقل کی وجہ سے محل تعجب ہے نہ کہ نسب نامہ کے مشکوک اور غیر معتبر ہونے کی دلیل ۔

نسب نامہ ولی اللہی کے تحتی سلسلے میں انقطاع کا ایک قرینہ

الامداد فی مآثر الاجداد میں منقول نسب نامہ میں حضرت ابن عمر تک جملہ وسائط کی تعداد علم الانساب کی رو سے گیارہ صدیوں میں مطلوب وسائط کی تعداد سے خاصی کم ہے۔ مذکورہ نسب نامہ میں حضرت ابن عمر تک صرف تیس واسطے درج ہیں ، اگر اس میں محمد اور عبداللہ بن عمرؓ کے درمیان عبدالعزیز بن عبداللہ کا نام درج ہو تو کل بتیس واسطے ہو جائیں گے، حالانکہ علم الانساب کے معروف اصول کے مطابق ایک صدی میں کم سے کم تین نسلیں ضروری ہیں۔اگرچہ بعض خاص حالات اور ناقابل تردید دلائل کی موجودگی میں دو صدیوں میں پانچ واسطے بھی قابل قبول ہیں ، اس اصول کی رو سے نسب نامہ ولی اللہی کی صداقت کے لئے حضرت شاہ صاحب سے حضرت ابن عمر تک کم سے کم تینتیس(۳۳) واسطے

ضروری هیں ، اور چونکه بعض اوقات ایک صدی میں چار پانچ نسلیں بھی گذر جاتی هیں اس لئے نسب نامه ولی اللهی کے معلوم وسائط کی تعداد میں کچھ اور اضافه ناگزیر ہے ، گویا شاہ صاحب سے حضرت ابن عمر تک پینتیس چھتیس واسطے مطلوب هیں، نسب نامه ولی اللهی کی موجوده ترتیب کی تحقیق و تصدیق یا نامعلوم وسائط کی دریافت و توثیق هونے تک نسب نامه کی موجوده روایت کے متعلق شک و شبه اور بحث و گفتگو کی خاصی گنجائش ہے،نسب نامه میں کہاں کس قدر وسائط ترک هوئے، نسب نامه کی مکمل اور صحیح ترتیب کیا ہے کچھ معلوم نہیں ۔

اس نسب نامه کی حیثیت خود شاہ ولی الله کی نظر میں

نسب نامه ولی اللهی کے مطالعه اور تحقیق کے وقت یه فراموش نہیں هونا چاهیے که الامداد فی مآثر الاجداد میں درج شجره نسب حضرت شاہ عبدالرحیم (۹) اور شاہ ولی الله کو اپنے بزرگوں سے اسی طرح ملا تھا ، جس کو شاہ صاحب نے جوں کا توں نقل کر دیا ہے ، ضروری نہیں که یه دونوں حضرات نسب نامه کی اس روایت کو من و عن صحیح اور بہمه جهت لائق استناد سمجھتے هوں ، شاہ ولی الله کی ایک عبارت سے جھلکتا ہے که شاہ صاحب کو نسب نامه کی موجوده روایت و ترتیب پر بہت اعتماد نہیں تھا ۔ حضرت شاہ صاحب کے الفاظ ملاحظه هوں :۔

,,در نسب نامهائے قدیم که در رهتک و در قبیله شاہ ارزانی بدایونی که نسب وے بسالار حسام الدین ابن شیر ملک میرسد، موجودند چنیں یافته شد ـــــــــ و ملک در زمان قدیم لفظ تعظیم بوده است مثل خاں در زمان ما والله اعلم بحقیقة الحال،،(۱۰)

یعنی حضرت شاہ صاحبان اس نسب نامه کے صرف ناقل و راوی هیں

اس کے سہو و انقطاع اور فروگذاشتوں کے لئے ذمہ دار نہیں ۔

(۲)

حضرت شاہ ولی اللہ کے اجداد کے ایران و افغانستان سے روابط

اگرچہ اس خاندان کے عرب علاقے سے ترک وطن کے عہد اور ایران و افغانستان میں ان کے زمانہ قیام اور محل اقامت کے متعلق کچھ کہنا آسان نہیں مگر بعض آثار و قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ عفان بن محمد یا ان کے اخلاف دوسری صدی کے اواخر یا تیسری صدی ہجری کے شروع میں اپنا آبائی وطن چھوڑ کر ایران آئے اور وھیں سے بعد میں افغانستان منتقل ہوئے ، ایران میں آذربائیجان اور ماوراء النہر کے علاقے اور افغانستان میں کابل اور اسکے اطراف ان کی جائے قیام تھی ، بعض غیر مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان ماوراء النہر اور نواح کابل میں حکمراں اور صاحب اقتدار بھی رہا ہے۔ جناب عبدالشاھد خاں شروانی کی اطلاع ہے کہ :۔

,,علامہ (فضل حق خیر آبادی اور حضرت شاہ ولی اللہ) کے مورث اعلی شیر الملک بن شاہ عطاء الملک ایرانی (کذا ؟) کے مورثان ایک قطعہ ملک ایران پر قابض و حکمران تھے ،، ۔ (۱۱)

مولانا سید محبوب علی جعفری (۱۲) کا بھی یہی خیال ہے ، وہ لکھتے ھیں :۔

لکن الثابت عندی علی الظن القوی ,,ان اولاد قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ العمری المتوطن بماوراء النہر کانوا من ملوک اطرافہا وکان ذالک الملک فیہم الی ان مات ابو اسحاق والی البخاری و تملک الاتراک القابضون بالنیابۃ قبل (کذا) و ذالک سنۃ سبع و ستین وثلثمائۃ ،، ۔ (۱۳)

اگر یہ اطلاعات درست ھیں تو اس خاندان کے حکومت و اقتدار کا نفاذ حدود افغانستان میں ہونا چاھیئے کیونکہ افغانستان میں تیسری

چوتھی صدی ھجری فاروقی خانوادوں کے عمل دخل اور سیاسی اثر و نفوذ کے قرائن دستیاب ھیں ۔ (۱۴) لیکن مولانا محبوب علی جعفری کی اس رائے سے اتفاق مشکل ہے کہ شیر ملک کےجد ماھان بن ھمایوں اور امیر بلخ موسی بن ھامان ھم جد، اور ایک خاندان کے رکن ھیں ، مولانا جعفری نے لکھا ہے :۔

,,ونقلنا ایضاً اسم رجل من امراء بلخ من اقران ابراهیم و شقیق وهو علی بن موسی بن هامان امیر البلخ ، فیحتمل ان یکون ماهان بن همایون بن قریش مع الاحتمال یکون ماهان تصحیف هامان ،، (۱۵)

نسب نامہ خاندان ولی اللھی میں ماھان بلاشبہ ایک اھم اور توجہ طلب نام ہے ، اور یہ بھی صحیح ہے کہ شاہ صاحب کے جد عثمان کے والد اور امیر بلخ کے دادا کا نام ایک جیسا ہے مگر ھم عصر افراد میں ناموں کی اس قدر یکسانیت و ھم رنگی عام ہے اور اس طرح کی یکسانیت کبھی بھی ان کے ھم جد اور ھم خاندان ھونے کی دلیل نہیں ھوتی ، علاوہ ازیں مولانا جعفری کو امیر بلخ کے صحیح نام میں سہو ھوا، صحیح نام علی بن حسین بن ماھان ہے (۱۶)۔ نیز اس تاویل و توجیہ کی اس لئے بھی ضرورت نہیں کہ امیر بلخ ماھان فاروقی ھیں نہ عرب، بلکہ فارسی الاصل ھیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ ماھان آذربائیجان اور ماوراء النہر میں ایک خاصا معروف اور چلا ھوا نام تھا ، کتب رجال و طبقات میں اس نام و نسبت کے متعدد افراد کا تذکرہ محفوظ ہے (۱۷) ، اور ماھان نامی ایک شخص ایک بڑے خاندان کے مورث اعلیٰ بھی تھے ، ان کی وجہ سے ان کی تمام اولاد ابن ماھان کہلاتی ہے (۱۸)۔

نسب نامه ولی اللهی میں ملک،خطاب یافته افراد کے عہد کی تعیین

شاہ صاحب کی اطلاع کے بموجب انکے خاندان کے پانچ بزرگوں شیر ملک ، بن عطا ملک، بن ابوالفتح ملک ، بن عمر حاکم ملک ، بن عادل ملک ، کے نام کے ساتھ ملک کا لاحقہ ثبت ہے جو اس خاندان کے شاندار اور پروقار ماضی اور سرکار دربار میں عزت و مقبولیت کا مظہر ہے ، شاہ صاحب کا ارشاد ہے :

,,وملک در زمان قدیم لفظ تعظیم بوده است مثل خان در زمان ما،،(۱۹)

تاریخ حضرت شاہ صاحب کے اس قول کی تو تصدیق کرتی ہے (۲۰) مگر وہ اس سلسلہ میں ہماری مدد اور رہنمائی نہیں کرتی کہ اس خاندان کے افراد کے لئے ملک کا استعمال اس حکومت کی یادگار اور باقیات کے طور پر ہوتا تھا جس کی طرف مولانا جعفری اور شروانی نے اشارہ کیا ہے یا یہ لاحقہ ایران و افغانستان کے بادشاہوں سے قربت و اختصاص کا ثمر ہے۔ ؟

اگرچہ ملک کا خطاب و مرتبہ شاہان تغلق کے زمانے تک ہندوستان میں بھی ایک لائق فخر اور باوقعت منصب رہا ، لیکن خاندان ولی اللہی کے نسب نامہ میں مذکور جن اشخاص کے ساتھ اس کا استعمال ہوا ہے ان کا زمانہ قطب الدین ایبک سے پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے خیال آتا ہے کہ یہ لاحقہ اس خاندان کے زمانہ قیام افغانستان کی یادگار ہے اور ہندوستان کی حکومتوں اور اہل دربار و مناصب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ، اس خیال کی اس سے تائید ہوتی ہے کہ اس عہد کے نامور مؤرخین منہاج سراج، ضیا الدین برنی، شمس سراج عفیف اور یحیی بن احمد سرهندی نے اپنی کتابوں میں ملک خطاب یافتہ بے شمار افراد کا مختلف موقعوں پر ذکر کیا ہے اور

اس میں شیر ملک، عطا ملک اور ابوالفتح ملک نامی افراد بھی شامل ھیں، مگر اس طویل فھرست میں کوئی ایسا شخص نہیں جس کو خانوادہ شیر ملک سے وابستہ و منسلک قرار دیا جا سکے ، اگر شیر ملک اور ان کے اجداد دربار دھلی سے وابستہ رھے ھوتے تو ان کا مذکورہ بالا مآخذ میں تذکرہ ھونا چاھئے تھا ۔

(۳)

خاندان ولی اللھی کے بزرگوں کا ھندوستان میں ورود اور اس کا زمانہ

خاندان ولی اللھی کے اجداد میں کون بزرگ کس زمانہ میں ھندوستان آئے ، اس کے متعلق کوئی واضح اطلاع دستیاب نہیں ، حضرت شاہ صاحب کی تحریر سے بھی صرف یہی معلوم ھوتا ہے کہ ان کے خاندان کے جد امجد شیخ شمس الدین مفتی ، رھتک میں خاندان قریش کے پہلے فرد تھے (۲۱)۔ مگر رھتک آنے سے پہلے شیخ شمس الدین یا ان کے آباء و اجداد ھندوستان کے کسی اور علاقہ میں مقیم تھے یا براہ راست اسی وقت افغانستان سے رھتک آئے تھے کچھ معلوم نہیں ۔ اگر اس خاندان کے ھندوستان آنے والے اولین بزرگ شیر ملک کے فرزندان سالار حسام الدین اور شمس الدین مفتی ھوں تو ان کا عہد محمد غوری اور ایبک کا زمانہ ھونا چاھیئے ، یہ دونوں شخص ھندوستان ساتھ آئے ھونگے ، یہاں پہنچکر سالار حسام الدین نے بدایوں میں اقامت اختیار کی اور شمس الدین مفتی نے رھتک میں رخت سفر کھولا ۔ حسام الدین حرب و ضرب کے ماھر اور سیف وسنان کے ادا شناس ھونگے اس لئے سالار کے لقب سے نوازے گئے ، اور شیخ شمس الدین نے علم و فضل میں کمال حاصل کیا اور مفتی کے لقب سے معزز گردانے گئے۔

بدایوں میں محلہ سوتھہ کی ایک پرانی مسجد جو بدایوں میں اسلامی عہد کے ابتدائی دور کی یادگار ہے، کے سب سے پہلے بانی حسام الدین نامی کوئی بزرگ تھے، مولف کنز التاریخ نے لکھا ہے :۔

,,اس مسجد میں ایک کتبہ لگا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد بھی ایک معبد قدیم ، شروع آمد اهل اسلام کی ہے اور مشہور ہے کہ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی نے اس مسجد میں بیٹھہ کر زمانہ طالب علمی میں مطالعہ فرمایا ہے۔ کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اول بانی مسجد حسام الدین تھے ، بعدازاں حضرت نظام الدین اولیاء نے تعمیر کرائی ۔ اس کے بعد مرتبہ سوم ۱۱۲۰ ھ میں محمد منیر نے تعمیر کی ۔ کتبہ یہ ہے :

بود از قدیم بانی مسجد حسام دین
چوں کہنہ گشت ریختہ افتاد بر زمین
زاں پس نظام دین بنا کرد از جدید
تامدتے مدید فرو ماند هم چنیں
بعد از وفات او چو محمد منیر ساخت
بیت العتیق خانہ اسلام شد ببیں
تاریخ سال او زخرد خواستم بگفت
آرند صوفیان سر سجدہ برزمیں » (۲۲)

اگر اس مسجد کے بانی سالار حسام الدین بن شیر ملک تھے جو عین ممکن اور قرین قیاس ۱۱۲۰ ھ ہے، (۲۳) تو اس سے شیر ملک کے بیٹوں کے ہندوستان آنے کا عہد تقریباً متعین ہو جاتا ہے۔ اوپر گذر گیا ہے کہ یہ مسجد بدایوں میں مسلمانوں کے بالکل ابتدائی دور کی یادگار ہے بدایوں، قطب الدین ایبک نے ۵۹۹ ھ میں فتح کیا (۲۴) ، لیکن مسلمانوں کی ایک قابل ذکر آبادی اور ان کی مذہبی عمارتیں وهاں اس سے پہلے موجود تھیں ، (۲۵) اگر یہ مسجد اسی ابتدائی زمانہ

کی یادگار ہے تو ممکن ہے اس کی تأسیس چھٹی صدی ھجری کے نصف آخر میں کسی وقت ھوئی ھو، اور اگر یہ مسجد ایبک کی فتوحات کے بعد تعمیر ھوئی تو اس کا زمانہ تعمیر ساتویں صدی ھجری کے ابتدائی سال ھیں ، دونوں صورتوں میں اس کے بانی حسام الدین (اگر وہ شیر ملک کے بیٹے ھیں) اور ان کے بھائی شیخ شمس الدین مفتی کا عہد متعین ھو جاتا ہے۔ ایک اور قرینہ سے بھی تقریباً اسی عہد کی تعیین ھوتی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے :۔

,,و اول کسے کہ از نژاد قریش در اں بلدہ در آمد و بسبب وے شعایر اسلام ظہور نمودہ و طغیان کفر منطفی شد، وے (شمس الدین مفتی) بود (۲٦)،، ۔

اور سب سے پہلے بنو قریش میں سے جو شخص اس شہر (رھتک) میں آئے اور ان کی کوشش سے وھاں شعایر اسلام ظاھر ھوئے اور کفر کی ظلمت کافور ھوئی وہ شیخ شمس الدین مفتی تھے ۔

افسوس کہ اس عہد کی تاریخیں خصوصاً تاریخ رھتک شیخ شمس الدین مفتی کے تذکرہ سے بالکل خاموش ہے ، لیکن اگر حضرت شاہ صاحب کی یہ اطلاع درست ہے تو شیخ شمس الدین،مفتی شیخ قوام الدین جنجیری (جو صدیقیان مہم و رھتک کے جد امجد ھیں) سے پہلے رھتک تشریف لائے اور قاضی قوام الدین ساتویں صدی میں رھتک نزول فرما ھوئے تھے، (۲۷) گویا جب قاضی قوام الدین رھتک آئے تو اس وقت شیخ شمس الدین مفتی کی کوششوں سے رھتک گہوارہ اسلام بن چکا تھا ، اور وھاں خود شمس الدین یا ان کے اخلاف اقامت پذیر تھے ۔ شیخ شمس الدین کے تذکرہ میں حضرت شاہ صاحب کے درج ذیل الفاظ :

,,بعد انقضائے ایام حیوۃ ایں بزرگ گزیں ترین اولادش کمال الدین مفتی برطریقہ وے مصدر ایں امور گشت و بعد از وے

پسروے قطب الدین، و بعد ازوے پسروے عبدالملک همیں وضع
ایام حیوۃ بآخر رسانیدند، وبعد از زمان ایں عزیزاں نصب
قضات دریں بلاد دستور شد » ـ (۲۸)

بھی اسی خیال کی تائید کرتے ھیں که شیخ شمس الدین کا عہد چھٹی صدی هجری کا ہے ، اس وقت تک اس نواح میں اسلامی حکومت کی عملداری پوری طرح قائم و مستحکم نہیں ھوئی تھی ، کچھ وقت گذرنے کے بعد جب اسلامی نظم حکومت استوار ھوا تو شیخ شمس الدین مفتی کے اعقاب و اخلاف اپنے جد و پدر کی علمی دینی مناصب و خدمات کے صحیح وارث و امین قرار پائے اور معاصر حکمرانوں کی جانب سے منصب قضا کے لئے نامزد و متعین کئے گئے ، اور بقول حضرت شاہ ولی اللہ ان کے خاندان میں رھتک کی دینی امارت و قیادت اور عہدہ قضا کا تسلسل کئی نسلوں تک قائم رھا ـ

شیخ شمس الدین مفتی کا مدفن

اگرچه شیخ شمس الدین مفتی کے تفصیلی حالات اور انکا سنه وفات معلوم نہیں، لیکن الامداد میں حضرت شاہ صاحب کی تحریر سے معلوم ھوتا ہے که شیخ مفتی کا جنازہ ان کے خلوت کدے سے غائب ھو گیا تھا جہاں وہ نماز جنازہ کے بعد ان کی حسب وصیت رکھدیا گیا تھا ، واقعه کی صحیح حقیقی صورت کیا تھی اور جنازہ کس طرح غائب ھوا اس کی تحقیق و تصدیق کا کوئی ذریعه همدست نہیں ، مگر ایک قدیم یادداشت (۲۹) سے معلوم ھوتا ہے که شیخ شمس الدین مفتی ، پرانی دلی میں حضرت خواجه قطب الدین بختیار کاکی کے مزار کے قریب جنگل میں دفن ھوئے اور ان کی قبر ,,مزار جنازہ پراں،، کے نام سے مشہور و معروف ہے ـ مولانا جعفری بھی اس اطلاع کی تصدیق کرتے ھیں ، ان کی تحریر سے اندازہ ھوتا ہے که شیخ مفتی کی وفات کسی اور مقام پر ھوئی تھی ، جنازہ مہرولی میں ملا

اور وهیں دفن کیا گیا ۔ مولانا لکھتے هیں :

,,ویذکر فی اهل مرهولی (کذا) جوار مزار خواجه قطب الدین ان جنازه اقت قریب المصلی فی الدفن القدیم فدفنوه ، فقیل لصاحب ذالک القبر پیر جنازه پراں قدس سره ، فقبره یزار و یتبرک به ،، (۳۰)

یه مزارات آج تک موجود اور زیارت گاه خلائق هیں ، اگرچه سرسید احمد نے ان کا ذکر نهیں کیا ، لیکن دلی کی تاریخی آثار و عمارات کے ایک اور محقق و مورخ مولوی بشیر الدین احمد نے ان کا جائے وقوع مهرولی میں عیدگاه التمش کے عقب میں دیوار عیدگاه سے ملحق بتایا ہے اور لکھا ہے : ۔

,,عیدگاه کی پچھیت کی دیوار سے ملے هوئے چند مزار هیں ، جن میں سے دو کے نام لوگ بتاتے هیں جنازه پراں ، اور شیخ جلال الدین تبریزی اور تین قبریں بےنام هیں ،، (۳۱)

مولوی بشیر الدین نے دو مزارات کا ذکر کیا ہے مگر دراصل یه پانچ الگ الگ قبریں هیں ، مگر ان میں سے کسی پر بھی کتبه نصب نهیں تاهم یه معلوم و معروف ہے که ان میں ایک قبر شیخ جلال الدین تبریزی کی اور ایک شیخ شمس الدین جنازه پراں کی ہے (۳۲) ، یه قبریں عیدگاه التمش کی غربی دیوار سے بالکل ملحق اور مزار شیخ اوحد الدین کرمانی سے کسی قدر فاصلے پر هیں ۔ (۳۳)۔

شیخ شمس الدین کے اعقاب و اخلاف کی رهائش گاه

دسویں صدی هجری کے اواخر تک یه تمام خاندان قلعه رهتک کے متصل اس عمارت میں رهائش پذیر تھا جو قلعه خوزد کهی جاتی تھی اور بعد میں محله چشتیاں کے نام سے مشهور هوئی (۳۴) ، دسویں صدی کے اواخر میں شیخ احمد بن محمود نے شیخ عبدالغنی سونی پتی (م ۱۰۱٦ هـ) (۳۵) کی دختر سے شادی کی اور سونی پت سے

رھتک واپسی کے بعد اپنے اور اپنے اھل خاندان کے رھنے کے لئے قلعه نما ایک وسیع عمارت تعمیر کرائی ، حضرت شاہ ولی اللہ تحریر فرماتے ھیں :۔

,,شیخ احمد در صغر سن از رھتک برآمد و باشیخ عبدالغنی ابن شیخ عبدالحکیم نشوونما یافت ، مشار الیه اور اباجگر پارہ خود ازدواج دادہ مدتے ترتیب فرمود ، بعد ازاں در رھتک باز آمدہ بیرون قلعه عمارتے ساخته اعوان و موالی خود راباخود جاداد،،(۳٦)۔

یه عمارت اولاً قلعه شیخ احمد کے نام سے پھر سرائے شیخ احمد اور آخر میں محله سرائے کے نام سے مشہور ہوئی ، ۱۹۴۷ ء تک خانوادہ شیخ احمد اور شیخ ابو الرضا محمد کے بچے کچھے افراد اسی محله میں رھتے تھے ، قیام پاکستان کے بعد وہ سب پاکستان جا کر ادھر ادھر مختلف شہروں میں منتشر ہوگئے ، اور حویلی کے آثار نیست و نابود ہو کر اغیار کے مکانات بن گئے ۔ سدا نام رھے اللہ کا ۔

شیخ احمد نے ۱۰۲۳ ھ میں وفات پائی (۳۷) ، ان کے پر پوتے شاہ وجیه الدین سیواجی مرھٹه کے عھد میں ڈاکوؤں کے ایک گروہ کے ساتھ داد شجاعت دیتے ھوئے شھید ھوئے اور بھوپال کے قریب دفن ھوئے، اس نواح میں شاہ وجیه الدین کنگن ولی کے نام سے مشہور ھیں ، (۳۸) اگرچه الامداد میں شاہ وجیه الدین کے سنه وفات کا ذکر نہیں مگر یه امر یقینی ہے که وہ ربیع الاول ۱۰۹۱ ھ اپریل ۱٦۸۰ ء میں سیوا جی مرھٹه کی موت سے پہلے رحلت کر گئے تھے ۔

(۴)

زوجات محترمات

شاہ ولی اللہ کے دو نکاح ھوئے ۔ پہلا مسماۃ امت بنت شاہ عبیداللہ پھلتی سے ۱۱۲۸ ھ/ ۱۷۱٦ ء میں اس وقت ھوا جب شاہ عبدالرحیم حیات تھے اور شاہ ولی اللہ کی عمر صرف چودہ سال تھی،

خود شاہ صاحب کا ارشاد ہے : وسال چہاردھم صورت تزوج گرفت،،(۳۹) مگـــر شاہ صـاحب نـے اس کی صراحت نہیں کی کہ اس وقـت صرف نکاح ہوا تھا یا شادی کے تمام مراسم سر انجام ہوگئے تھے ، لیکن قرین قیاس ہے کہ اسی وقت رخصتی بھی ہوگئی ہوگی ۔

امت الرحیم شاہ ولی اللہ کے ماموں ، شاہ عبیداللہ کی دختر اور شاہ محمد عاشق پھلتی کی ہمشیر تھیں ، انہوں نے شادی کے بعد اکیس سال حضرت شاہ ولی اللہ کی معیت و رفاقت میں بسر کئے اور تقریباً ۱۱۴۹ ھ/ ۳۷ ـ ۱۷۳٦ ء میں تین بچے ایک بیٹا دو بیٹیاں چھوڑ کر وفات پاگئیں، ان کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب نے میر معین الدین ٹھٹوی کے نام ایک خط میں لکھا ہے :۔

,,از عجائب اتفاقات آنکہ قبل ورودنامہ گرامی بچند روز اہلیہ ایں فقیر کہ بنت ... وھم بمعیت بست ویک سالہ می شد بمرض اسہـــال ازیں جہـاں واژگون انتقال کرد ،،(۴۰)

مسماۃ امت الرحیم (۴۱) کی وفات کے بعد شاہ صاحب نے سونی پت کے خانوادہ سادات (۴۲) میں جس کے شاہ صاحب اور ان کے تمام اہل خاندان سے کئی نسلوں سے مراسم اور قرابت و ازدواج کے تعلقات تھے (۴۳)، مولوی حامد سونی پتی (۴۳الف) کی دختر بی بی ارادت سے دوسرا نکاح کیا ، (۴۳ ب) ان دونوں خاندانوں کے باہمی قدیم رشتوں کے علاوہ مولوی حامد کی دختر سے نکاح کا ایک اور محرک یہ تعلق رہا ہوگا کہ مولوی حامد، شاہ عبدالرحیم کے رفیق درس(۴۵) اور شاہ فخر العالم خلف شاہ ابوالرضا محمد کے داماد اور خلیفہ مجاز تھے(۴٦) ۔

اگرچہ بی بی ارادت سے نکاح کی صحیح تاریخ معلوم نہیں لیکن اس قول کی صداقت مشتبہ ہے کہ ,,شاہ صاحب کی دوسری شادی ۱۱۵۷ ھ میں ہوئی تھی ،، (۴۷) قرائن و شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی بیوی کی وفات کے بعد جلد ہی بی بی ارادت سے نکاح ہوگیاتھا۔

اگر دونوں واقعات میں کسی قدر وقفہ بھی ہوا ہو تب بھی نکاح ثانی ۱۱۵۷ ھ سے بہت پہلے ہوا ہوگا ۔ حضرت شاہ عبدالعزیز کا ایک ملفوظ اس خیال کا مؤید ہے ، شاہ صاحب نے ایک مجلس میں فرمایا : ۔

,,در شب بست و پنجم رمضان وقت سحر تولد شدہ بودم چوں والدین را کودک بسیار مردہ بودند مگر برائے من کمال بود ،، (۴۸)

یعنی شاہ عبدالعزیز کی ولادت سے پہلے حضرت شاہ صاحب کے والدین (شاہ ولی اللہ اور بی بی ارادت) کے کئی بچے ضائع ہو چکے تھے ، زوجہ ثانیہ کی پہلی اولاد جو حیات رہی شاہ عبدالعزیز تھے ۔ اگر نکاح ثانی کا سنہ ۱۱۵۷ ھ تسلیم کیا جائے تو اس وقت سے شاہ عبدالعزیز کی ولادت ۱۱۵۹ ھ تک صرف ایک بچے یا حمل کے ضائع ہو جانے کا وقفہ رہتا ہے ، اس میں کودک بسیار کی گنجائش کہاں ؟

ایک بزرگ مصنف و محقق نے اس ملفوظ کی تصحیح فرمائی ہے اور والدین کی جگہ والد من کو درست قرار دیا ہے ، (۴۹) مگر اس رائے سے بھی اتفاق مشکل ہے کیونکہ زوجہ اول محترمہ امت الرحیم کی وفات کے وقت تین بچے حیات تھے ، جن میں ایک بچی جو زوجہ اولی کی آخری اولاد تھی صرف چھے مہینے کی تھی اس لئے زوجہ اولی کے بچوں کے حیات نہ رہنے کا شکوہ صحیح اور برمحل ہے ؟ لہذا معلوم ہوا کہ یہ تمام حوادث و آلام دوسری بیوی کو پیش آئے اور اسی میں کئی سال گذر گئے ، جیسے جیسے وقت گذرتا گیا بچے کی آرزو تمنا میں اضافہ ہوتا رہا ، طویل وقفے اور بڑی امیدوں کے بعد زوجہ ثانیہ بی بی ارادت کے بطن سے ایک فرزند تولد ہوا جو حیات رہا، فرزند کے تولد اور صحت و عافیت کی خبر

سے پورے خاندان میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی ۔ اور یہ بھی قرین قیاس ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے مرحوم زوجہ کے کمسن بچوں کی نگہداشت و پرورش کی ضرورت کے پیش نظر دوسرے نکاح میں عجلت فرمائی ہو، اس کا اشارہ خود شاہ صاحب کے مکتوبات میں بھی ملتا ہے ، تحریر ہے :

,,و از کسے متکفلات اولاد نماند ، تشویشے لاحق شد ،،(۵۰)

محترمہ بی بی ارادت نے خاصی طویل عمر پائی ، حضرت شاہ ولی اللہ کے سب سے چھوٹے فرزند شاہ عبدالغنی کی وفات (۱۲۰۳ ھ) تک حیات تھیں ، (۵۱) تاریخ وفات معلوم نہیں ۔

(۵)

اولاد

دونوں بیویوں سے حضرت شاہ صاحب کی متعدد اولاد ہوئیں، جس میں سے نو کے متعلق معلومات دستیاب ہیں ، اور نو میں سے سات شاہ صاحب کی وفات (۲۹ محرم ۱۱۷۶ ھ یوم شنبہ ۲۱ ۔ اگست ۱۷۶۲ ء) کے وقت حیات تھیں ۔ تفصیلات اس طرح ہیں ۔

زوجہ اول سے تین ، ایک فرزند مولانا شاہ محمد ۔ دو لڑکیاں محترمہ صالحہ اور امت العزیز ۔ زوجہ ثانیہ سے چھ، چار فرزند (حضرت شاہ) امام الدین عبدالعزیز ۔ رفیع الدین عبدالوھاب ۔ معین الدین عبدالقادر ۔ رضی الدین عبدالغنی ۔ اور دو بیٹیاں فاطمہ اور فرخ بی بی ۔ آئندہ سطور میں اولاً بیٹیوں کا ذکر آئے گا پھر صاحبزادگان کا مختصر احوال جس میں ان کے صحیح سنین ولادت و وفات متعین کرنے کی کوشش ہوگی ۔

محترمہ صالحہ بنت حضرت شاہ ولی اللہ

حضرت شاہ صاحب کی زوجہ اول سے جو اولاد حیات رہی ان میں سب سے بڑی محترمہ صالحہ ہیں ، شاہ صاحب نے زوجہ

اول کی وفات پر میر معین الدین ٹھٹوی کو جو خط لکھا تھا اس کا ایک اقتباس گزر گیا ہے ، دوسطریں اور پڑھ لیجئے :

,,وسه یکے دختر شش ساله دومی فرزند سه ساله وسیم دختر شش ماهه گذاشت واز کسے متکفلات اولاد نماند .... تشویشے لاحق شد،، (۵۲)

اس اقتباس کی روشنی میں جو ایک اهم اور مستند ترین ذریعه معلومات ہے ، محترمه صالحه کا سنه ولادت ۱۱۴۳ هـ / ۳۱ ـ ۱۷۳۰ ء تقریباً متعین ہے ـ ان کے سنه ولادت کے علاوه کوئی اور اطلاع راقم سطور کو نہیں ملی مگر مولانا مجتبی حیدر صاحب کاکوروی نے مطلع فرمایا ہے که :

,,ان کی شاه ولی الله کی حیات میں شادی هوگئی تهی مگر کوئی اولاد نہیں هوئی ، شاه صاحب کے سامنے هی لاولد انتقال کر گئیں ، اس عالم میں جو اس کا بدل ان کو عطا هوا اس کی تفصیل شاه صاحب نے عرصه بعد بیان فرمائی (۵۳) ،، ـ

محترمه أمة العزیز بنت شاه ولی الله

أمة العزیز عرف مسیتی زوجه اولی کی آخری یادگار تهیں ، تقریباً ۴۹ ـ ۱۱۴۸ هـ / ۳۹ ـ ۱۷۳۸ ء میں ولادت هوئی ، چهه مهینه کی تهیں که والده وفات پاگئیں ـ ازدواج و نکاح کے متعلق مستند معلومات دریافت نہیں ، لیکن مولانا عاشق الهی میرٹهی نے ان کا ذکر کرتے هوئے لکها ہے : ـ

,,جن کا نکاح شاه ولی الله نے اپنے ماموں زاد بهائی اور خلیفه اکبر شاه محمد عاشق کے صاحبزادے سے کیا ،، (۵۴)ـ

اگرچه مولانا میرٹهی نے شاه محمد عاشق کے صاحبزادے کا نام نہیں لکها جو امت العزیز کے شوهر تهے مگر دیگر مآخذ و قرائن سے معلوم هوتا ہے که امت العزیز شاه محمد عاشق کے بڑے صاحبزادے شاه

محمد عبدالرحمن (مرتب مکتوبات شاہ ولی اللہ) کے نکاح میں آئیں، اور اس ضمن میں عبدالرحیم ضیاء کی یہ اطلاع درست نہیں کہ :

,,ایک دختر مسماۃ بی بی امت العزیز۔ دختر مذکورہ کی مولوی محمد فائق بن مولوی محمد عاشق سے شادی کر دی ،، (۵۵)۔

کیونکہ شاہ محمد فائق،شاہ صاحب کی سب سے چھوٹی صاحبزادی بی بی فرخ کے شوہر تھے ، اور ان کا نکاح شاہ صاحب کی حیات میں ہونا اس لئے قرین قیاس نہیں کہ وہ اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہ کی وفات (۱۱۷٦ ھ) کے وقت شیر خوار دو ڈھائی سال کی تھیں ، لیکن شاہ عبدالرحمن کا نکاح شاہ ولی اللہ کی حیات میں ہوگیا تھا اور وہ ۱۱٦۸ ھ/۵۵ ۔ ۱۷۵۴ء میں انتقال کر گئے تھے ۔ شاہ ولی اللہ کے متعدد خطوط میں شاہ عبدالرحمن اور ان کی اولاد کا ذکر ہے۔ ایک خط میں تحریر ہے :

,,وقد وصل الولد العزیز عبدالرحمن مع اولادہ بالخیر والعافیہ،، (۵٦)

عزیزم عبدالرحمن اپنی اولاد کے ساتھ خیر و عافیت سے (یہاں) پہنچے ۔

اہل پھلت کے نسب ناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالرحمن کے دو صاحبزادے ہوئے ابوالفضل اور ثناء اللہ ۔ ثناء اللہ کے بھی دو بیٹے ہوئے محمد عثمان، محمد یوسف اور یہ وھی محمد یوسف ھیں جو تحریک جہاد سید احمد شہید کے سرگرم رکن تھے اور جن کو حضرت سید احمد شہید کے تمام تذکرہ نگار نبیرۂ شاہ اہل اللہ محمد یوسف بن عمر بن شاہ اہل اللہ لکھتے ھیں (۵۷)حالانکہ اس وقت تک کسی ذریعہ سے محمد عمر نامی شاہ اہل اللہ کے کسی بیٹے کے وجود کی تصدیق نہیں ہو سکی اور خانوادہ ولی اللہی کے نسب ناموں میں بھی ان کا ذکر نہیں ۔

محترمه فاطمه بنت شاه ولی اللہ

شاہ عبدالرحمن خلف شاہ محمد عاشق کی وفات (۱۱٦۸ ھ) کے بعد تولد ہوئیں ، ان کی ولادت کا تذکرہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ نے ایک خط میں لکھا ہے :

,,از نعم الهی دریں ایام آنست که صبیه متولد شد چوں خانه ما از اسم فاطمه خالی شده بود همیشه در خاطر این.... میگذشت، ایں صبیه را فاطمه نام کرده شد (۵۸) ،،۔

افسوس بی بی فاطمہ کی حیات ، کل عمر اور نکاح و ازدواج کے متعلق کوئی اور اطلاع راقم سطور کو نہیں ملی چونکہ اس خط کے علاوہ کسی اور ماخذ و مکتوب میں ان کا ذکر نہیں ملا اس لئے خیال ہے کہ شاید وہ کمسنی میں وفات پاگئی ہوں ؟

محترمه فرخ بی بی بنت شاه ولی اللہ

حضرت شاہ صاحب کی دوسری زوجہ سے یہ آخری اولاد ہیں ، صحیح سنہ ولادت معلوم نہیں مگر حضرت شاہ عبدالعزیز اور ان کے برادران گرامی کے سنین ولادت کی ترتیب کے پیشنظر فرخ بی بی کا سنہ ولادت تقریباً ۱۱۷۴ ھ/٦۱ ـ ۱۷٦۰ ء متعین کیا جا سکتا ہے۔ فرخ بی بی شاہ محمد فائق خلف شاہ محمد عاشق کے نکاح میں آئیں،خانوادہ ولی اللہی پر قلمی یادداشت کی اطلاع ہے :

,,واین هر چهار بزرگان معه یک خواهر که در عقد نکاح شاه محمد فائق پهلتی پسر حضرت شاه محمد عاشق مذکور قدس سره بقید حیات موجود است و صاحب اولاد است ،، ـ (۵۹)

اور مولانا جعفری نے شاہ عبدالعزیز کے ماموں شاہ کبیر بن صدر العالم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ :ـ

,,وکانت زوجه فخر العالم من السادة القطبية الزکویه اولاد الامیر قطب الدین الکبری ـ فولدت له صدر العالم وهو ابی و فاخرة

النساء وهی ام والدة الشیخ امام الدین عبدالعزیز ، والشیخ رفیع الدین عبدالوهاب والشیخ معین الدین عبدالقادر ، والشیخ رضی الدین عبدالغنی ، والد العالم الفاضل اسمعیل الشهید رحمه الله و فرخ بی بی وهی زوجة الشیخ محمد الفایق بن الشیخ محمد العاشق » الخ (٦٠)

بی بی فرخ کے متعدد اولادیں ہوئیں نسب نامہ اہل پھلت میں محمد معصوم، محمد صادق اور عبدالسلام کا ذکر ہے۔ اول الذکر دونوں لاولد تھے ۔ فاطمہ کا نکاح مولوی معظم اللہ خلف شاہ اہل اللہ سے ہوا ۔ نسل چلی اور عبدالسلام کا سلسلہ بھی خاصا پھلا پھولا اور اس وقت تک برگ و بار لا رہا ہے۔

نسب نامہ اہل پھلت میں بی بی فرخ کی ان ھی مذکورہ چار اولادوں کا ذکر ہے لیکن حضرت شاہ عبدالعزیز کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ بی بی فرخ کی ایک دختر اور بھی تھیں جو اپنے والدین کی حیات میں انتقال کر گئی تھیں ، محولہ بالا خط میں اسی حادثہ کی تعزیت ہے ، آخر میں لکھتے ھیں ۔

«....یبلغوا مثل هذه التسلیة الی اختی ... الله سرها و حفظها من کل سوء و بارک فیها و فی اولادها ۔ آمین ۔ الخ » (٦١)

مولانا شاہ محمد خلف اکبر حضرت شاہ ولی اللہ

حضرت شاہ صاحب کے میر معین الدین ٹھٹوی کے نام محولہ بالا مکتوب کی رو سے جس کے اقتباسات گزر چکے ھیں شاہ محمد کا سنہ ولادت ۱۱۳۶ ھ/ ۳۴ ۔ ۱۷۳۳ ء معلوم و متعین ہے ، شاہ محمد کی تعلیم و ارشاد کی تفصیلات دریافت نہیں تاہم اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ ابتدائی کتابوں سے منتہـانہ نصاب تعلیم تک اکثر کتابوں میں والد ماجد سے تلمذ و استفادہ کا موقع ملا ہوگا ، شاہ محمد کی تعلیم کے ابتدائی ایام میں حضرت شاہ صاحب نے ان کے

لئے ایک رسالہ ,,ضوابط املاء کلمات و قواعد کتابت،، مرتب کیا تھا(٦٢) اس کے شروع میں لکھا ہے :

,,بر خوردار سعادت اطوار فرزندم محمد سلمہ اللہ تعالی بداند که درنوشتن دو قاعده مستحضر باید ساخت ، یکے آنکه هر کلمه راجدا باید نوشت خواه اسم باشد یا فعل یا حرف الخ،،

مولانا عبدالحئی حسنی نے شاہ عبدالعزیز کے ایک رسالہ کے حوالہ سے شاہ محمد کو شمائل ترمذی اور حصن حصین کے درس میں شاہ عبدالعزیز کا رفیق و همدرس لکھا ہے، مولانا حسنی کا قول ہے :

,,و (اخذ) الحصن الحصين و شمائل الترمذی سماعا علیه بقراءة اخیه الشیخ محمد ـ الخ ،، (٦٣)

لیکن راقم سطور کو اس اطلاع کی تصدیق میں تامل ہے ، معلوم نہیں مولانا حسنی نے یہ اطلاع کہاں سے اخذ کی، اگر شاہ عبدالعزیز اس کا ذکر فرماتے تو اس اطلاع کا صحیح محل شاہ صاحب کی تالیف رسالہ عجالۂ نافعہ تھی،اس میں شاہ صاحب نے شیخ محمد کے ساتھ اشتراک سماعت و قراۃ کا کوئی ذکر نہیں فرمایا بلکہ یہ لکھا ہے کہ :ـ

,,این فقیر این علم و جمیع علوم را محض از خدمت والد ماجد خود اخذ کرده است ، و بعضے کتب این علم را مثل مصابیح و مشکوة و سوی شرح موطا که از تصانیف ایشانست وحصن حصین و شمائل ترمذی از خدمت ایشان قراة و سماعاً به تحقیق وتفتیش اخذ نموده ،، (٦٤)

تاهم اگر شاہ محمد کی شاہ عبدالعزیز کے ساتھ رفاقت و درس کی اطلاع درست ہے تو یہ اشتراک وهم سبقی بلاشبہ تیمناً و تبرکاً ہوئی ہوگی کیونکہ جس وقت شاہ عبدالعزیز نے (تقریباً ١١٧٥ھ میں) شاہ

ولی اللہ سے شمائل ترمذی اور حصن حصین پڑھی اس وقت شاہ محمد کی عمر ۲۸ ـ ۲۹ سال ہوگی ، اور اس عمر تک تدریس و تعلیم میں مشغول رہنا خانوادہ ولی اللہی کی روایات کے خلاف اور ناقابل یقین ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے مرض الوفات میں شاہ عبدالغنی کے علاوہ اپنے چاروں صاحبزادوں کی نسبت مع اللہ کی کیفیت کا اور ان کی متوقع روحانی ترقیات کا حضرت شاہ عبدالعزیز سے ذکر کیا تھا اس میں شاہ محمد کا تذکرہ بھی ہے ، فرمایا :

,,وشیخ محمد را نسبت مع اللہ مانند نسبت شاہ حسینؒ خواہد شد ،، (٦٥)

شاہ محمد کی زندگی کا بڑا حصہ بھائیوں کے ساتھ دھلی میں گزرا ، شاہ عبدالعزیز کے متعدد مکتوبات میں مکتوب الیہم کو شاہ محمد کا سلام لکھا ہے جو اس کی واضح شہادت ہے کہ شاہ محمد ، شاہ عبدالعزیز کے ساتھ ھیں ، (٦٦) نیز شاہ عبدالعزیز کے خطوط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ محمد کا افضل خاں کی چھاؤنی لکھنو میں بھی کچھ عرصہ قیام رہا ہے ، (٦٧) لیکن سید احمد ولی اللہی کے اس قول میں کچھ صداقت نہیں کہ : شاہ محمد ہمیشہ پھلت میں رہے (٦٨)۔ شاہ محمد اپنے والد ماجد اور بھائیوں کی طرح بڈھانہ (ضلع مظفر نگر) بھی آتے جاتے رہتے تھے ، اور یہیں کے زمانہ قیام میں ۱۲۰۸ ھ/۹۴ ـ ۱۷۹۳ء میں وفات ہوئی ، اور جامع مسجد کے صحن میں دفن کئے گئے ۔ منشی فرحت اللہ پھلتی نے لکھا ہے : ۔

,,,ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی لاولد مرگئے ،اور قبر ان کی قصبہ بڈھانہ مسجد کلاں میں ہے،تاریخ وفات دخل الجنة ہے،،(٦٩)

منشی فرحت اللہ کے نقل کئے ہوئے فقرہ تاریخ میں سہو کاتب سے لفظ فی ترک ہوگیا ہے موجودہ صورت میں اسکے اعداد گیارہ سو آٹھ

هیں جو اس خاندان کی کسی معروف شخصیت کی تاریخ ولادت ہے نہ تاریخ وفات ، اگر فقرہ تاریخ دخل فی الجنة ہو تو اس کے اعداد بارہ سو آٹھ ہو جاتے ہیں جو مولانا شاہ محمد کا سنہ وفات ہے ، یہی سنہ مولانا عبدالحئی حسنی نے بھی لکھا ہے۔ (۷۰)۔

مولانا شاہ محمد کی قبر جامع مسجد بڈھانہ(۷۱)کے شمال مشرقی کونے میں حوض اور وضو خانہ کے درمیان میں واقع ہے ، اس جگہ کل تین قبریں ہیں کونسی قبر کس کی ہے متعین طور پر معلوم نہیں ، تاہم اس میں ایک قبر برشک و شبہ شاہ محمد کی ہے ، ایک اور قبر کے متعلق بعض اہل بڈھانہ کا قول ہے کہ وہ شاہ نور اللہ بڈھانوی کی ہے ، تیسری کا حال معلوم نہیں ۔

شاہ محمد کا شاہ نور اللہ کی دختر صبیحہ سے نکاح ہوا، اور لاولد ہوئے مگر عبدالرحیم ضیا کے بیان سے شبہ ہوتا ہے کہ مولانا شاہ محمد کے دو بیٹے تھے جو شاہ محمد کے برابر آسودہ خاک ہیں (۷۲) لیکن یہ قول صحیح نہیں، عبدالرحیم ضیاء کے علاوہ کوئی اور تذکرہ نگار ان کی اولاد کا ذکر نہیں کرتا، اگر شاہ محمد صاحب اولاد ہوتے تو خانوادہ ولی اللہی پر قدیم یادداشت اور مولانا جعفری کی کتاب سے اس کا کوئی اشارہ و تذکرہ ملتا مگر یہ دونوں اس تذکرہ سے خاموش ہیں نیز منشی فرحت اللہ پھلتی (۷۳) اور مولانا عاشق الہی میرٹھی (۷۴) نے مولانا محمد کو صراحتاً لاولد لکھا ہے اور نسب نامہ اہل پھلت بھی اسی موخر الذکر روایت کا مؤید ہے۔

سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز

۲۵ رمضان المبارک سنہ ۱۱۵۹ ھ / ۱۲ ۔ اکتوبر سنہ ۱۷۴۶ ء کو ولادت ہوئی، خود شاہ عبدالعزیز کا ارشاد ہے : ۔

,,در شب بست و پنجم رمضان وقت سحر تولد شدہ بودم ،، (۷۵)

غلام حلیم (اعداد : ۱۱۵۹) تاریخی نام ہے (۷۶) والد ماجد اور شاہ

محمد عاشق نیز شاہ نور اللہ بڈھانوی سے تعلیم حاصل کی، حضرت شاہ ولی اللہ نے شاہ عبدالعزیز کو مبادیات صرف کی تعلیم و تفہیم کے لئے ایک منظوم رسالہ فارسی میں تحریر فرمایا تھا اس کے کلمۂ افتتاح میں لکھتے ھیں :۔

,,وبعد .... فقیر ولی اللہ عفی عنہ چوں فرزند ارجمند عبدالعزیز ..... تعالی و فقہ لما یحب و یرضی ..... مشغول شد مناسب نمود کہ قواعد منورہ ایں فن را در رشتہ ...... الخ ,,...... باسہل وجہ ضبط آں میسر آید ، بہ نسخہ صرف مولانا نور الدین جامی قدس سرہ توجہ افتادہ دیدہ شد کہ قلیلے ازاں قواعد منظوم فرمود و بعضے آخر ...... گذاشتہ، ظاہراً آں استاد نامدار بعد تسوید نسخہ مذکورہ بنظر ثانی اصلاح نفرمودہ و توجہ آں نگاشتہ ، لا جرم بعضے ابیات تیمناً و تبرکاً بعینہا آوردہ شد ، و در بعضے تصرفے بحسب امکان کردہ آمد ، و بعضے آخر بربیان اسلوب و وزن زیادہ کردہ شد » (۲)

حضرت شاہ ولی اللہ کی وفات کے بعد ان کے تمام مناصب اور ذمہ داریوں کا بوجھ شاہ عبدالعزیز کے کاندھوں پر آگیا تھا ، اور شاہ عبدالعزیز نے اپنی کمسنی کے باوجود یہی نہیں کہ اس کا شایان شان حق ادا کیا بلکہ ہر لحاظ سے اسکو چار چاند لگا دیئے، اپنے چھوٹے بھائیوں کی ایسی رہنمائی اور تعلیم و تربیت فرمائی کہ باید و شاید ۔ حالانکہ شاہ ولی اللہ کی وفات کے وقت شاہ عبدالعزیز کی عمر صرف سولہ سال چند مہینے تھی ، اور اس وقت شاہ رفیع الدین تیرہ سال کے شاہ عبدالقادر نو سال کے اور شاہ عبدالغنی پانچ سال کے تھے ۔ اگر شاہ عبدالعزیز اپنے بھائیوں کی ایسی اعلی تعلیم و تربیت کے علاوہ زندگی بھر اور کوئی علمی دینی خدمت سر انجام نہ دیتے تو بھی ان کا یہی ایک کارنامہ رہتی دنیا تک ان کے کلاہ عزت و افتخار

میں نگینہ کی طرح چمکتا رھتا اور همیشه ان کی یاد تازہ رکھتا ، مگر شاہ عبدالعزیز کی خدمات کا دائرہ اس سے بہت وسیع ، بہت عمیق، بہت متنوع اور نہایت کثیر الجہت ہے۔

شاہ عبدالعزیز کے حلقہ تعلیم و تربیت سے بےشمار ایسے بلند قامت انسان اٹھے کہ ان کا طرہ فضل و کمال غزالی و رازی سے آنکھیں ملاتا تھا اور جن کی مجالس درس اپنی وسعت اور اثر و نفوذ میں علمائے متقدمین کی یاد تازہ کراتی تھیں ۔ ان میں سے ہر ایک فضل و کمال کا منبع اور علم و ارشاد کا سرچشمہ تھا، ان کا وجود ھندی ملت اسلامیہ کے لئے سرمایہ فخر و مباہات اور وجہ نازش و افتخار تھا ، پچھلے دو سو برس کی تاریخ میں اور آج بھی برصغیر ھند پاکستان اور بنگلہ دیش کا کون مسلمان ہے جو ایمان و عقاید کی اصلاح اور طریقہ ھدایت و سنت کی دریافت اور پیروی میں ان بزرگوں کے خوان علم کا خوشہ چیں اور ممنون کرم نہیں، اور اس برصغیر کے کس ادارہ اور تحریک کے اصلاحی ، تعلیمی نظریات کا رشتہ شاہ عبد العزیز یا ان کے حلقہ تلامذہ سے وابستہ نہیں بلاشبہ اس براعظم کی گزشتہ دو سو برس کی دینی علمی اصلاحی تصنیفی اور فکری تاریخ شاہ عبدالعزیز کی خدمات و اثرات کی تاریخ ہے، اور ھندی ملت اسلامیہ کا ہر ادارہ تعلیم و تبلیغ کا ہر مرکز ، اور ارشاد و تلقین کا ہر اک حلقہ چاہے اس کو اس وقت کچھ بھی رنگ اور نام دیدیا گیا ہو وہ فیضان عزیزی کا ایک ثمر ہے۔

شاہ عبدالعزیز ھندوستان کی ملت اسلامیہ کا وہ مہر منیر ، وہ نیرتابان اور وہ گوھر شب تاب ہے جس کے دم قدم سے ھندوستان میں اسلام کا ٹمٹماتا چراغ روشن ، توحید کا غلغلہ بلند اور اتباع سنت کا ولولہ تازہ ھوا، ان کی کاوشوں کا عکس آج بھی دل فروز اور ملت کے لئے مینارہ نور ہے اور بےشک و شبہ کہا جا سکتا ہے کہ اس برصغیر کے بیشتر تعلیمی و تبلیغی سلسلے انھیں کے سوز دروں کی باز گشت

اور انھیں کی کاوشوں کا پرتو ھیں جس کے اثرات سے ھندو پاکستان اور بنگلہ دیش کا خطہ خطہ منور اور ذرہ ذرہ درخشاں ہے :

یک چراغیست دریں خانه که از پرتوآں

هر کجامی نگری انجمنے ساختـــه انــد

شاہ عبدالعزیز کا صحیح سنہ وفات

شاہ عبدالعزیز نے اکیاسی سال کی عمر میں ۷ شوال سنہ ۱۲۳۰ھ / ٦ جون ۱۸۲۴ ء کو رحلت کی ، احمد علی بجنوری نے جو اس المیہ کا عینی شاھد ہے اپنی ایک تحریر میں اس وقت کی دیدہ و شنیدہ تفصیلات قلم بند کی ھیں ، اس میں یہی سنہ وفات درج ہے۔ مولانا محبوب علی جعفری نیز اکثر شعراء اور تذکرہ نگاروں نے بھی یہی سنہ وفات بیان کیا ہے مولانا جعفری لکھتے ھیں :۔

,,مات الشیخ عبدالعزیز فی السابع من شوال سنة تسع و ثلاثین و ماتین والف ،، (۷۸)

مومن کا لکھا ھوا قطعہ تاریخ فرط شہرت سے محتاج تعارف نہیں ، یہاں اس کا صرف آخری شعر پڑھ لیجئے :۔

دست بے داد اجـل سے بے سـروپـا ھـو گئے

فقر و دیں ، فضل و ھنر ، لطف و کرم ، علم و عمل (۷۹)

مولانا ابو الحسن حسن کاندھلوی نے بطریق تخرجہ تاریخ کہی :

حجۃ اللہ ناطق و گویا شاہ عبدالعزیز فخر زمن

مہر نصف النہار در عرفان مثل بدر منیر درھمه فن

روز یکشنبه هفتم شوال درمیان بہشت ساخت وطن

از سر لطف و حلم تاریخش رضی اللہ عنہ گفت حسن (۸۰)

لیکن مذکورہ بالا تصریحات اور کثیر شواھد کو نظر انداز کرکے بعض شعراء اور تذکرہ نگاروں نے شاہ صاحب کا سنہ وفـات ۱۲۳۸ھ ـ ۱۲۴۰ ھ اور بعض نے ۱۲۴۸ ھ بھی نقل کیا ہے ، مگر یہ تینوں اور

شاہ صاحب کے سنہ وفات کی ۱۲۳۹ ھ کے علاوہ اگر کوئی اور روایت ہو تو وہ بھی یکسر غلط اور قطعاً بے اصل ہے ، ۱۲۳۸ ھ اور ۱۲۴۰ ھ کی سب سے پہلی روایت سعادت یار خاں رنگین سے منقول ہے ، رنگین نے قطعۂ تاریخ کہا :

بہر اوج حضرت عبدالعزیز | اس کی یہ تاریخ رنگین نے لکھی
منظر خلد بریں کا قصر تھا | شبلی ہند اور جنید عصر تھا (۸۱)

شاہ صاحب کے لوح مزار پر اول یہی سنہ وفات کندہ تھا (۸۲) ، جب قدیم کتبات تبدیل کئے گئے اسوقت صحیح سنہ وفات درج ہوا ۔ رنگین نے ایک اور فقرہ تاریخ بھی لکھا ہے ,,ہے مرا آج امام اعظم عہد،، مگر یہ بھی صحیح نہیں — ۱۲۴۸ ھ کی روایت سرسید احمد نے آثار الصنادید میں ذکر کی ہے ، سرسید کے الفاظ یہ ہیں :

,,۱۲۴۸ ھ (بارہ سو اڑتالیس ہجری) میں اس جہان فانی سے سفر آخرت کو اختیار کیا ،، (۸۳) مولوی رحیم بخش نے حیات ولی میں بھی یہی سنہ لکھا ہے (۸۴) ، مگر دونوں سے یہ غلطی سخت حیرت انگیز ہے ، کیونکہ دونوں نے اپنی ان تحریرات کے بعد جو قطعات تاریخ نقل کئے ہیں ، ان سے صحیح سنہ وفات ۱۲۳۹ ھ صاف عیاں ہے خصوصاً مولوی رحیم بخش کا بیان محل تعجب ہے وہ حیات ولی کی تالیف سے پہلے اپنی کتاب حیات عزیزی میں صحیح سنہ وفات لکھ چکے تھے (۸۵) اور لطف یہ ہے کہ حیات عزیزی میں دو قطعات تاریخ ہیں اور حیات ولی میں تین، اور ان میں سے ہر ایک قطعہ تاریخ سے صحیح سنہ وفات ۱۲۳۹ ھ برآمد ہوتا ہے (۸۶) ، نیز حیات عزیزی میں ایک قطعہ تاریخ کے نیچے صحیح اعداد درج ہیں ، لیکن حیات ولی میں مولانا ابو الحسن حسن کے قطعہ تاریخ کے نیچے اس کے اعداد ۱۲۴۸ ھ لکھدئے جو بالکل غلط ہیں ۔

شاہ عبدالعزیز کی تاریخ ولادت ، عمر اور سنه وفات تینوں ایک ھی فقرہ سے معلوم ھو جاتے ھیں، غلام حلیم (اعداد : ١١٥٩ ھ) تاریخ پیدائش ہے ، لفظ عطاء (اعداد : ٨١) سے کل عمر معلوم ھوتی ہے ، اور عطاء غلام حلیم (اعداد :١٢٣٩ھ) سنه وفات کا مظہر ہے(٨٧)

ازدواج اور الاود

شاہ عبدالعزیز کا شاہ نور اللہ بڈھانوی کی دختر حبیبه سے نکاح ھوا ، نکاح و ازدواج کا سنه معلوم نہیں مگر حضرت شاہ ولی اللہ کی حیات میں اس رشته کی بنا ڈال دی گئی تھی ، اس رشته کے سلسله میں شاہ صاحب نے شاہ نور اللہ کو جو خط لکھا تھا وہ مجموعه مکتوبات شاہ ولی اللہ میں شامل ہے ،

شاہ ولی اللہ تحریر فرماتے ھیں :۔

,,بالجمله ایں علاقه که بابت نسبت برخوردار محمد متجدد شد با علاقه اولیٰ بابت نسبت عبد العزیز چه قدر بهجت خاطر دارد الخ ،، (٨٨)

محترمه حبیبه سے شاہ صاحب کی متعدد اولادیں ھوئیں ، ھمیں چھ بچوں کا علم ھو سکا ہے ، تین بیٹے ، تین بیٹیاں ، تینوں بیٹے کمسنی میں وفات پاگئے تھے ، لڑکیوں کے نکاح ھوئے ، اولاد ھوئی اور پھر یکے بعد دیگرے تینوں صاحبزادیاں اپنے والد کی حیات میں رحلت کر گئیں ، اسی حقیقت کا اظہار کرتے ھوئے فرحت اللہ پھلتی نے لکھا ہے : ,,ان (شاہ عبدالعزیز) کی اولاد انکے روبرو مر گئی ،، ۔ (٨٩)

شاہ عبدالعزیز کے متعلق سید احمد ولی اللھی کی یه اطلاع صحیح نہیں که : ,,آپ سے کوئی فرزند نرینه نہیں ھوا (٩٠) ،، ۔ شاہ صاحب کے تین صاحبزادے تھے ، قطب الدین،زین الدین اور احمد ۔ قطب الدین نے بارہ تیرہ سال کی عمر میں وفات پائی ، زین الدین نے

بھی اسی عمر میں تقریباً ۱۲۳۴ ھ میں انتقال کیا ، احمد کی عمر اور سنه وفات معلوم نهیں ـ مگر شاہ صاحب کی ایک تحریر کی وجه سے خیال ھوتا ہے که احمد اور ان کی والدہ محترمه دونوں کا شاید ایک ھی زمانه میں انتقال ھوا ، شاہ صاحب نے لکھا ہے : ـ

,,وان سالتم عنا فنحن ایضاً بحمدالله بعافیة ورفاهیة غیر ان ماجری فینا من تقدیرات الله تعالی (رحلة) الولد العزیز احمد واختلال الانتظام المنزلی اوجب لنا الذهول عن اکثر ماتهم به ومن ثم وقع نبذ من التاخیر فی ارسائل الرسائل ،، (۹۱)

شاہ صاحب کی دختران کی تفصیل اس طرح ہے : عائشه ـ رحمت النساء ـ اور مریم ـ (۹۲)

عائشه : شیخ محمد افضل رهتکی کے نکاح میں آئیں ، شیخ محمد افضل شاہ ولی الله کے هم جد تھے، ان کا نسب چار واسطوں کے نسب نامه ولی اللهی سے مل جاتا ہے ، عائشه کے دو فرزند تھے حضرت شاہ محمد اسحق اور شاہ محمد یعقوب ، اور ایک دختر مسماۃ مبارک، ان کا شاہ عبدالحئی بڈھانوی کی زوجه اولی مریم کی وفات کے بعد شاہ عبدالحئی سے نکاح ھوا، منشی فرحت الله پھلتی کا بیان ہے که :

مسماۃ مبارک کی شادی هوئی مولانا عبدالحئی صاحب سے بعد فوت هو جانے مریم کے ، اور بعد دو سال کے روبرو شوهر و نانا خود لاولد مر گئیں (۹۳) ،، ـ

رحمت النساء : دختر اوسط ، شاہ رفیع الدین کے فرزند مولوی محمد عیسیٰ سے منسوب هوئیں ، اور اپنے شوهر کی وفات کے بعد ۱۲۳۶ ھ/ ۲۱ ـ ۱۸۲۰ ء میں لاولد انتقال کر گئیں ـ مولانا ابو الحسن حسن کاندهلوی نے تاریخ کہی :

مخدومه خلق حیف صد حیف حسن

چوں رخت ازیں جهان فانی بربست

تـاریخ وفـات او بگفتاهاتـف

بی بی رحمت ,,برحمت حق پیوست،،(۹۴)

مریم : سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں، شاہ عبدالحئی بڈھانوی کے نکاح میں آئیں ۱۲۳۶ھ ، اور لاولد انتقال کر گئیں ۔

حضرت شاہ عبدالوھاب رفیع الدین

۱۹ ذی الحجه ۱۱۶۳ ھ/ ۱۹ نومبر ۱۷۵۰ ء کو منگل کے دن پیدا ہوئے ، حضرت شاہ ولی اللہ نے اس مبارک و مسعود ولادت کا اپنے ایک خط میں تفصیل سے ذکر کیا ہے اور نومولود کی وجہ تسمیہ پر بھی روشنی ڈالی ہے فرماتے ھیں : ۔

یوم الثلاثاء تاسع عشر ذی الحجه وقت الصخوة الکبری فرزندے عطا فرمود، چوں پیش از حمل آں والدہ اش مریض بود و توقع و توقع شفا بحسب عادت منقطع شدہ میاں نور اللہ در واقعه شفا مشار الیہا و تولد فرزند مبشر شدہ بودند، و درآں واقعه بخاطر ایشاں نشستہ بود که نام مولود رفیع الدین باشد، مانند جدے لام حضرت ما قدس اللہ اسرارھما ۔

ونیز یک روز در ضمن تلاوت اسم وھاب بعض نعم الٰھی راکه در حق ایں مسکین مقدر شدہ مشاھدہ شود از آنجمله ایں ولدنیز مشتمل شد ، بملاحظه ادب ہر دو واقعه رفیع الدین عبدالوھاب نام ایں مقرر کردہ شد ، خدائے تعالی اورا تربیت فرماید بوجھے که مرضی او تعالی شود وشائستہ حمل امانت گردد انه قریب مجیب ،، (۹۵)

شاہ ولی اللہ کی وفات کے وقت شاہ رفیع الدین کی عمر تیرہ سال تھی اور وہ شرح جامی وغیرہ پڑھتے تھے ، ابتدائی کتابوں کی تعلیم کا صحیح حال معلوم نہیں مگر والد ماجد کی وفات کے بعد تمام درسیات شاہ عبدالعزیز سے اخذ کیں ، اور سلوک و معرفت میں شاہ محمد

عاشق پھلتی سے استفادہ کیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز کے بعض مکتوبات میں شاہ رفیع الدین ، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی کی تعلیم کا کچھ حال درج ہے ، نیز ان خطوط سے ان بزرگوں کی تعلیمی کیفیت اور انکی صلاحیت و استعداد کی روز افزوں ترقی کے علاوہ اس عہد کے طریقہ تعلیم خصوصاً ولی اللهی طریق درس کے مختلف مراتب و مراحل کی ایسی عمیق اور همه جهت تصویر سامنے آتی ہے جو همارے حلقهائے درس میں ایک زمانه سے مفقود ہے۔ اگرچه ان خطوط کے متعلقه اقتباسات خاصے طویل هیں مگر بتمام و کمال لائق مطالعه هیں، شاه صاحب لکھتے هیں :۔

ان اخی رفیع الدین کان مشغولا بالفوائد الضیائیه و تعلیقات الکافیه اذهجمت هذه الواقعه التی اطارت الالباب واسطالت علی القلوب و الاکباد ، فوفقنی الله تعالی بضبطهم و رعیتهم الی هذا الشان وحثهم علی تحصیل العلم واخذه بکل لسان ۔ فاثر ذالک فیهم واشتغلو بقراءة الکتب وسماعها علی هذا الفقیر فجاءوا الحمدلله کما تشتهیه القلوب وتلذه الاعین ۔

میرے بھائی رفیع الدین الله ان کو سلامت رکھے فوائد ضیائیه (شرح جامی) اور تعلیقات کافیه پڑھ رهے تھے که والد ماجد کی وفات کا جانکاه اور هوش ربا واقعه پیش آگیا ۔ الله تعالیٰ نے مجھے توفیق دی که میں نے سب بھائیوں کو تحصیل علم اور هر رائج الوقت زبان سیکھنے کی ترغیب دی چنانچه ان پر میری ترغیب کا اثر هوا اور وه اس فقیر کے پاس کتابوں کے پڑھنے اور سننے میں مشغول رهے تا آنکه الحمدلله حسب دل خواه ایسی استعداد پیدا کی جس سے آنکھیں ٹھنڈی هوتی هیں۔

اما رفیع الدین فقد حفظ القرآن کله وفرغ بحمدالله من

تحصیل العلوم کلها لاسیما الادبیة والفلسفیة والاصلین من العلم الدینیة بل اخذ من العلوم الغریبة کالهیئة والنجوم والحساب و الهندسة ومایجری مجراها من الرمل و الجفر و التاریخ و علم الفرائض والشعر و رسائل التصوف بحظ وافر، وبقی له العبور علی الصحاح الستہ وغیرها من کتب الحدیث و عسی ان یوفقه الله تعالی لذالک ایضاً ، وهو بحمدالله مشغول بتفسیر البیضاوی ومشغوف بالتدریس وله تعلیقات و تدقیقات تقربها العین و یسربها الصدر ۔ فالحمدلله علی ذالک .

-- ,,بهرحال رفیع الدین نے قرآن شریف حفظ کر لیا ہے اور وہ بحمدالله تمام علوم کی تحصیل سے فارغ ہو چکے ہیں خاص طور پر علوم ادبیه اور فلسفه اور علوم دینیه کی دونوں اصلوں (قرآن و حدیث) میں ان کو تخصص حاصل ہے بلکه انہوں نے علوم غربیه بھی حاصل کئے ہیں جیسے ہیئت نجوم اور حساب ہندسه اور جو ان کے ملحق و متصل ہیں جیسے رمل جفر، تاریخ،فرائض ، شعر، نیز رسائل تصوف بھی پڑھے ہیں اور ان کو ان علوم میں پورا پورا حصه ملا ہے ۔ اور ابھی ان کی صحاح سته و غیرها پر عبور یعنی دوره حدیث باقی ہے ، امید ہے که الله تعالیٰ عنقریب اسکی بھی توفیق عطا فرمائے گا ۔ الله کے فضل و کرم سے وہ اس وقت تفسیر بیضاوی پڑھ رہے ہیں، اور درس و تدریس کا بھی شغف رکھتے ہیں اور ان کے قلم سے بعض کتابوں اور علوم و مباحث پر تعلیقات و تحقیقات بھی ہیں جن سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سرور ہوتا ہے ۔ و الحمد لله علی ذالک،، ۔

واما عبدالقادر ، فهو ایضاً فرغ بحمد الله من حفظ القرآن کله واسمع فی التراویح مرات .وهو الان مشغول بالقطبی و

حواشی السید علیه ـ

و اما عبد الغنی فقد حفظ نصف القرآن الکریم وهو مشغول به » (٩٦) ـ

,,اور عبد القادر وہ اللہ کے فضل و کرم سے قرآن حفظ کر چکے ھیں اور کئی مرتبہ تراویح میں سنا چکے ھیں ـ اس وقت وہ قطبی اور اس پر سید شریف کا حاشیہ پڑھ رھے ھیں ـ

اور عبد الغنی نے آدھا قرآن شریف حفظ کر لیا ہے، اور وہ ابھی اسی میں مشغول ھیں » ـ

اگرچہ شاہ صاحب کے اس مذکورہ بالا خط پر سنہ کتابت درج نہیں مگر اس کے مضمون سے اندازہ ھوتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کی وفات کے ڈیڑھ دو سال بعد لکھا گیا ہے، اس خط کی تحریر کے کچھ عرصہ بعد ایک اور خط میں تینوں بھائیوں کی تعلیمی مصروفیات پر کچھ اور روشنی ڈالی ہے، ان بزرگوں کی تعلیم و تدریس کے وقت اس خط کو نظر انداز کیا جانا قرین انصاف نہیں ـ شاہ صاحب اس خط میں لکھتے ھیں :

رفیع الدین بفضل الٰہی از تحصیل علوم فارغ شدہ ، در مجلس عرس کہ مجمع علماء وفقراء بود، دستار تبرک بستہ اجازت درس دادہ شد، الحمدللہ مردم بسیارے ازوے مستفید اند ـ

و عبدالقادر ھم اکثر کتب تحصیل را خواندہ است بمرتبہ فضیلت رسیدہ ان شاء اللہ ببرکت ارواح طیبہ عن قریب فارغ التحصیل خواھد شد ـ

عبدالغنی قرآن را ختم نمودہ در رمضان مبارک گذشتہ در محراب استادہ شد، باھتمام تمام در حفظ قرآن شریف اھتمام نمود، الحال کتب فارسی شروع کردہ است، بعد ماہ مبارک آئندہ قصد ھست کہ شروع در صرف و نحو کنانیدہ خواھد شد» (٩٧) .

رفیع الدین خدا کے فضل سے تعلیم سے فارغ ہوگئے ہیں ، ایک یادگار مجلس میں جس میں علماء اور درویشوں کا ہجوم تھا دستار تبرک باندھ کر ان کو درس کی اجازت دیدی گئی ہے خدا کا شکر ہے بہت سے افراد ان کے علم اور تعلیم سے فائدہ اٹھا رہے ہیں ۔

اور عبدالقادر نے بھی درسی کتابوں کا اکثر حصہ پڑھ لیا ہے اور فضیلت تک پہنچ گئے ہیں ، خدا نے چاہا تو وہ بھی ارواح طیبہ کی برکت سے عنقریب رسمی تعلیم سے فارغ ہو جائیں گے ۔

عبدالغنی نے قرآن شریف ختم کیا ہے پچھلے رمضان مبارک میں پہلی محراب سنائی اور قرآن شریف حفظ کرنے میں خوب کوشش کی ہے اب انھوں نے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھنی شروع کی ہیں، اگلے رمضان کے بعد ارادہ ہے کہ ان کو نحو و صرف شروع کرا دی جائے ۔

سنہ وفات

شاہ رفیع الدین کی ستر سال کی عمر میں ، طاعون کے مرض میں ۳ شوال ۱۲۳۳ ھ ـ ۹ اگست ۱۸۱۸ ء کو وفات ہوئی، مولانا محبوب علی جعفری لکھتے ہیں :۔

,,مات (الشیخ رفیع الدین) فی السادس من شوال سنة تسع و ثلاثین و مائتین و الف فی الوباء ،، (۹۸)

عنبر خاں عنبر رامپوری نے تاریخ کہی :

سپہر معرفت مہر طریقت   مہہ اوج ہوا صندید باقی
نمایاں کوکب برج شریعت   فروزاں اختر امید باقی
بچرخ شرع حق نجم ہدایت   بشمس ورع نور دید باقی
بگردون طریقت طرفہ کوکب   بچرخ اتقا ناہید باقی
بافلاک علوم و دین و ملت   مضی سیارہ تائید باقی

درخشاں آفتاب زهد و تقـوی　رفیع الدین که شد جاوید باقی
چو از دور فلک زیر زمین شد　بود تاریخ او ,,خورشید باقی،،(۹۹)
۱۲۳۳

چشمه فیض (اعداد : ۱۲۳۳) سے بھی سنه وفات معلوم هوتا ہے ـ

ملفوظات شاہ عبدالعزیز کا مرتب جو رجب ۱۲۳۳ ھ سے شاد عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر تھا اور شاہ صاحب کے ملفوظات کی جمع و ترتیب میں مشغول تھا، وہ شاہ رفیع الدین کے مرض الموت، وفات اور تدفین اور اس حادثه پر حضرت شاہ عبدالعزیز کے تاثرات کی دیدہ و شنیدہ تفصیلات ذکر کرتا ہے ، (۱۰۰) اسلئے مذکورہ بالا سنه وفات بلاشک و شبه صحیح ہے اس سنه کے علاوہ شاہ رفیع الدین کے سنه وفات کی جو روایتیں نقل کی گئی هیں مولوی فقیـر محمـد جہلمی اور رکن الدین نظامی نے ۱۲۳۸ ھ لکھا ہے (۱۰۱) ابو یحیی امام خاں نوشہروی ۱۲۴۹ ھ کہتے هیں (۱۰۲) مگر یه تمام روایات بے اصل اور پایه اعتبار سے ساقط هیں ـ

ازدواج و نکاح

شاہ رفیع الدین کے تین نکاح ہوئے ، پہلا اپنی ماموں زاد عارفه بنت شاہ صدر العالم سے، زوجه ثانیه کا نام و نسب معلوم نہیـں، تیسری بیوی کا نام کلو تھا مگر ان کا بھی نسب اور تفصیلات مفقود هیں ـ شاہ صاحب کثیر الاولاد تھے ، اهل پھلت کے نسب نامه میں دس اولادوں کا ذکر ہے جو جوان اور صاحب اولاد تھیں ـ یہاں سب کا تذکرہ غیر ضروری ہے مگر دو بیٹوں اور ان کی اولاد سے صرف نظر کرنا غلط ہوگا ـ یه فرزند مولوی محمد موسیٰ اور مولـوی محمـد حسین تھے ، ان دونوں کے ذریعه سے شاہ ولی اللہ کی پسری اولاد کا سلسله جاری رہا، اور اس وقت تک اسی طرح پر بہار و ثمر بار ہے ـ

مولوی موسیٰ (از بطن زوجه اولی) نے دو نکاح کئے، پہلا کلثوم

بنت شاہ عبدالغنی سے، ان سے ایک دختر فاضلہ پیدا ہوئیں، دوسرا سادات سونی پت میں امت السلام سے ہوا، ایک فرزند عبدالسلام، زوجہ ثانیہ سے تولد ہوئے جو ۱۲۹۳ھ تک حیات تھے(۱۰۳) ۔

مولوی موسیٰ کی ایک دختر جو عبدالسلام کی ہمشیر تھیں سید معزالدین سونی پتی سے منسوب ہوئیں ، ان کے دو بیٹے تھے ، سید معین الدین احمد، اور سید ظہیر الدین احمد ولی اللھی (ناشر تصنیفات خانوادہ ولی اللھی و مؤسس مطبع احمدی دھلی) (۱۰۴) دونوں اولاد نرینہ سے محروم تھے ۔ اول الذکر کی ایک بیٹی امت العائشہ تھیں جو سید عبدالغنی سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کی والدہ ماجدہ تھیں، عبدالسلام کی اولاد کا سلسلہ خاصا وسیع اور ۱۹۴۷ ء تک رواں دواں تھا مگر اس کے بعد سے ان کا حال معلوم نہیں کہ وہ سونی پت سے کب اور کہاں منتقل ہوگئے ۔

مولوی محمد حسن کا نکاح پھلت میں ہوا ، وہ اور ان کی اولاد پھلت میں مقیم رہے ان کے فرزند مولوی احمد حسن بھی صاحب اولاد تھے ، اخلاف شاہ کی یہ شاخ بھی ثمر و بار آور رہی اور اب تک شاداب و پر بہار ہے ، مولوی احمد حسن کے پوتے پر پوتے ۱۹۴۷ء کے بعد پاکستان چلے گئے تھے اور راول پنڈی میں مقیم ھیں (۱۰۵) ۔ راقم سطور کی معلومات کے مطابق مولوی احمد حسن کے اخلاف خاندان شاہ وجیہ الدین کی واحد شاخ ہے جو اس وقت تک موجود ہے اور اس کا سلسلہ نسب بیٹوں کے ذریعہ شاہ صاحب سے منسلک ہے ۔

حضرت شاہ عبدالقادر

شاہ عبدالقادر کے سنہ ولادت کا معاصر تحریرات شاہ صاحب کے تلامذہ یا قریب العہد تذکرہ نگاروں نے کوئی ذکر نہیں کیا ، غالباً اس ضمن میں اولین اطلاع سید احمد ولی اللھی کا یہ قول ہے کہ : ,,آپ ۱۱۶۷ ھ میں پیدا ہوئے ،، (۱۰۶) متأخر تمام تذکرہ نگار اسی روایت کے

ناقل ھیں۔اوپر گزر گیا ہے کہ شاہ ولی اللہ کی وفات کے وقت شاہ عبدالقادر کی عمر نو سال تھی اور وہ قرآن شریف پڑھ رہے تھے ، تعلیم کی تفصیلات گزر چکی ھیں ۔ شاہ عبدالقادر نے درسیات شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین سے اخذ کیں ، سلوک و معرفت میں خواجہ میر درد سے استفادہ کیا ، (۱۰۷) شاہ عبدالعدل (۱۰۸) سے بیعت ھوئے اور اجازت و خلافت سے نوازے گئے ۔ (۱۰۹)

شاہ عبدالقادر نے تریسٹھ سال کی عمر میں ۱۹ رجب ۱۲۳۰ھ/ ۲۸ جون ۱۸۱۵ء کو بدھ کے دن ظہر کے وقت اس دار فانی سے رحلت کی ، خانوادہ ولی اللہی پر قدیم یادداشت کا بیان ہے :

,,وفات شریف حضرت شیخ عبدالقادر قدس سرہ ، نوزدھم رجب وقت ظہر روز چہار شنبہ ۱۲۳۰ ھ ،، (۱۱۰)

مولانا محبوب علی جعفری نے بھی متعدد موقعوں پر شاہ صاحب کا سنہ وفات ذکر کیا ہے ، ایک جگہ لکھتے ھیں : ۔

,,والشیخ عبدالقادر مات فی التاسع عشر من رجب سنة ثلاثین و مأتین والف ،، (۱۱۱) (۱۹ رجب ۱۲۳۰ھ)

,,آفتاب دیں برفت،، سے سنہ وفات برآمد ھوتا ہے(۱۱۲) بعض اور فقرات تاریخ بھی نقل کئے گئے ھیں مگر ان کے اعداد سنہ وفات سے مطابقت نہیں کرتے ۔ شاہ عبدالقادر کے سنہ وفات کی چند اور روایتیں بھی نقل کی جاتی ھیں ، جناب غلام رسول مہر نے ۱۲۲۸ ھ سنہ وفات لکھا ہے (۱۱۳) ۔ مفتی غلام سرور لاھوری اور مولوی ابو یحیی امام خاں نے ۱۲۳۲ ھ بیان کیا ہے ، (۱۱۴) اور مولوی ابو یحیی کی ایک اور تحریر سے اگر وہ سہو کتابت نہیں ۱۲۴۳ ھ معلوم ھوتا ہے ، (۱۱۵) لیکن مستند معاصر تحریرات و مآخذ کی موجودگی میں ان روایات کی چنداں اھمیت نہیں ۔

ازدواج و نکاح

شاہ عبدالقادر کی اہلیہ محترمہ کا نام معلوم نہیں ہوا ، شاہ صاحب کی واحد اولاد ایک صاحبزادی زینب یا زینت تھیں جو شاہ رفیع الدین کے صاحبزادے مولوی محمد مصطفی تحیر سے منسوب ہوئیں ، (۱۱٦) ان کی بیٹی جمیلہ شاہ محمد اسمعیل شہید کے نکاح میں آئیں ۔ (۱۱۷)

حضرت شاہ عبدالغنی

معروف روایات کے مطابق ۱۱۷۱ ھ/ ۵۸ ۔ ۱۷۵۷ ء میں پیدا ہوئے ، حضرت شاہ ولی اللہ کی وفات کے وقت پانچ سال عمر تھی ، اگرچہ درسیات کی تمام کتابیں بھائیوں سے پڑھیں مگر حدیث مسلسل باالاولیۃ کی اجازت اور سند خود حضرت شاہ ولی اللہ سے حاصل کی تھی ، (۱۱۷ ب) حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی نے جو شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے رفیق و ہم سبق تھے شاہ عبدالغنی سے مسلسل باالاولیۃ کی اجازت حاصل کی ، مفتی صاحب کی بیاض میں یادداشت تحریر ہے : ۔

حدیث مسلسل بالاولیہ : وھو اول ما سمعتہ من الحدیث ، حدثنا الشیخ عبدالغنی رحمہ اللہ عن ابیہ الشاہ ولی اللہ المحدث وھو اول ما سمعۃ منہ ، وھویروی (عن) السید عمر بن بنت الشیخ عبداللہ البصری المکی » (۱۱۸)

مفتی الٰہی بخش کے ذریعہ اس سلسلہ سند کا فیضان عام ہوا ، مفتی صاحب سے مولانا محمد حسن رامپوری کو اجازت و سند ملی ، مولانا محمد حسن سے مولانا شیخ محمد تھانوی کو پہنچی ۔ مولانا شیخ محمد نے لکھا ہے : ۔

,,الحدیث المسلسل بالاولیۃ من الاساتذہ رحمھم اللہ ھو اول حدیث سمعتہ من افضل الزمن الفاضل الکامل شیخنا و استاذنا

مولانا محمد حسن انصاری رامغوری ، وهو اول ماسمعه من شیخه الفاضل البارع الکامل الداعی الی طریق رب العـرش مولانا مفتی الهی بخش الجهنجهانوی ثم الکاندهلـوی ، قال حدثنی الشیخ عبدالغنی ولد المحدث الدهلوی الحافظ الحاکم مولانا احمد المعروف بشاه ولی الله ـ الخ » (۱۱۹)

شاه عبدالغنی کا سنه وفات

شاه عبدالغنی جو اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے ، سب سے کم عمر پائی نوجوانی میں تینتیس سال کی عمر میں وفات پاگئے تھے ، شاه صاحبان کی قریب العهد تحریرات شاه عبدالغنی کے سنه وفات کے تذکره سے خاموش هیں ، خانواده ولی اللهی هر قدیم یادداشت میں شاه عبدالغنی کے مدفن کا ذکر ہے مگر اس میں بھی تاریخ درج نهیں تاریخ وفات ایشاں کے بعد بیاض چھوٹی هوئی ہے ، (۱۲۰) اور مولانا جعفری نے بھی جو شاه اسمعیل شهیـد کے رفیـق سبق تھے شاه عبدالغنی کا سنه وفات ذکر نهیں کیا ، یه کهه کر گزر گئے که ,,وه اپنی والده ماجده اور بھائیوں کی زندگی میں انتقال کر گئے تھے » (۱۲۱) تاریخ الائمه کی تالیف کے بعد ایک طویل عرصه تک کسی مورخ و تذکره نگار نے ان کے سنه وفات کا ذکر نهیں کیا نه ان کے لوح مزار پر سنه وفات کنده هوا ـ

مولوی شاه محمد اکبر ابو العلائی دانا پوری رجب ۱۳۱۱ هـ جنوری ۱۸۹۴ ء میں دهلی گئے تھے اسوقت قبرستان مهندیاں میں خاندان شاه ولی الله کے جن مزارات پر کتبات نصب تھے ان میں شاه عبدالغني کا نام شامل نهیں ، (۱۲۲) مولوی دانا پوری کے سفر کے ایک سال بعد رجب ۱۳۱۲ هـ / جنوری ۱۸۹۵ ء میـں مـولانا عبدالحئی حسنی مولف نزهة الخواطر مهندیان پهنچے ، مولانا حسنی نے بھی ان بزرگوں کے مزارات پر تحریر (کتبه) هونے کی اطلاع دی ہے (۱۲۳) مگر

اس فہرست میں بھی شاہ عبدالغنی کے لوح مـــزار کا ذکر نہیں ، اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت تک شاہ عبدالغنی کا سنہ وفـات نامعلوم تھا ورنہ ممکن نہیں تھا، کہ دوسرے بزرگوں کے ساتھ ان کے مزار پر کتبہ نصب نہ کیا جاتا ۔

شاہ عبدالغنی کے سنہ وفات کی روایات میں سب سے پہلـی اطلاع سید احمد ولی اللہی کا یہ قول ہے کہ :۔

,,۱۲۲۷ ھ میں ۵۷ برس کی عمر میں وفات پائی ، اور شاہ عبدالقادر کے متصل مدفون ہوئے ،، (۱۲۳)

اکثر تذکرہ نگاروں نے اسی پر اعتماد کیا ہے (۱۲۴ ب) مـــگر یـہ روایت پایہ اعتبـار سے ساقط اور خلاف تحقیق ہے کیونکہ خود ولی اللہی چند ہی سطر پہلے شاہ عبد القادر کا سنہ وفات ۱۲۳۰ ھ لکھـ چـکے ہیں (۱۲۵) ۔ لہذا یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ شاہ عبدالغنی ، شاہ عبدالقادر کی وفات سے تین سال پیشتر ان کے متصل دفن کئے گئے ہوں ؟ دستیاب شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ کی وفات (۱۱۷۶ ھ) کے بعد ان کے صاحبزادگان میں سے سب سے پہلے سب سے چھوٹے فرزند شاہ عبدالغنی کی رحلت ہوئی ، دلائل و شواہد کی روشنی میں شاہ عبدالغنی کی صحیح تاریخ وفات میں اختلاف ہو سکتا ہے مگر سید احمد ولی اللہی کا مذکورہ بالا قول کہ انکی وفات ۱۲۲۷ ھ میں ہوئی کسی طرح قابل قبـول اور لائـق اعتماد نہیں ،کیونکہ خانوادہ ولی اللہی کے قدیم و جدید تقریباً تمام تذکرہ نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ جس وقت شاہ عبدالغنی کی وفات ہوئی تو ان کے بیٹے شاہ محمد اسمعیل کم سن تھے ، والد کی وفات کے بعد چچا یعنی حضرت شاہ عبدالقادر نے شاہ اسمعیل کی پرورش اور تعلیم و تربیت کی ، اس سلسلہ کی غالباً سب سے پہلی اطلاع مولانا محبوب علی جعفری کا (جو شاہ اسمعیل کے بچپن سے

هم جولی اور هم سبق تھے) یہ بیان ہے کہ :۔

,,و (للشیخ عبدالغنی) ابن اسمه اسمعیل و بنتین رقیه و ام کلثوم و وصی بهم اخاه عبدالقادر فرباهم کاولاده ،، (۱۲۶)

اگر شاہ عبدالغنی کی وفات ۱۲۲۷ ھ میں ہوئی ہوتی تو اس وقت اس وصیت کی ضرورت تھی نہ موقع ، کیونکہ تذکرہ نگاروں کا اسپر بھی اتفاق ہے کہ شاہ اسمعیل ۱۱۹۳ ھ میں پیدا ہوئے (۱۲۷) ، گویا ۱۲۲۷ ھ میں ان کی عمر چونتیس سال تھی، اور وہ اس وقت درس و تدریس اور وعظ و تذکیر کے ذریعہ اپنی ذهانت و ذکاوت ، حسن تقریر اور خوش نوائی کا جادو جگائے ہوئے تھے ، اور ان کی شہرت و قابلیت کا چرچا دور دور تک پھیل چکا تھا ، لهذا معلوم ہوا کہ ولی اللهی کی شاہ عبدالغنی کے سنه وفات کے متعلق اطلاع کمزور اور بے اصل ہے ـــ اور یہ روایت اس لئے بھی قرین صحت نہیں کہ مولانا جعفری نے جو شاہ صاحبان کی خدمت میں ہر وقت حاضر باش اور شاہ عبدالقادر کے خاص ارادت مند تھے ۱۲۲۷ھ مین دهلی میں مقیم تھے ، اور مولانا جعفری نے اس سال کے بعض وقائع کا ذکر کیا ہے اور ایک موقع پر یہ بھی لکھا ہے کہ مولانا اسمعیل شہید ۱۲۲۷ ھ میں حضرت سید احمد شہید سے بیعت ہوئے ، (۱۲۸) اگر شاہ عبدالغنی کی وفات ۱۲۲۷ ھ میں ہوئی ہوتی تو مولانا جعفری اس سے ہرگز ناواقف نہ ہوتے ، اور اپنی کتاب میں اس کا ذکر ضرور کرتے ، مولانا جعفری کے تذکرہ نہ کرنے سے یہ سمجھنا غلط نہ ہوگا کہ شاہ عبدالغنی کی وفات کا واقعہ مولانا جعفری کی شاہ عبدالعزیز اور ان کے برادران کی خدمت میں حاضری سے بہت پہلے کا ہے ، کم از کم اس وقت کا نہیں ہے جو سید احمد ولی اللهی بیان کرتے ہیں ۔

ولی اللهی کے بیان کا ایک کمزور پہلو یہ ہے کہ وہ گویا یادگار دهلی کی تالیف کے زمانہ میں اپنی ایک اور کتاب احوال و

کمالات عزیزی میں یه لکھ چکے تھے که شاہ عبدالغنی کا حال اچھی طرح معلوم نہیں ، (۱۲۹) اور ساتھ ھی یادگار دھلی میں تفصیلات بھی درج کر رھے ھیں ـ ایسا انداز ہے که اس اطلاع کے لئے خود ولی اللہی کے پاس بھی کوئی قابل اعتماد بنیاد نہیں تھی ، اور یہی وجه ہے که حیات ولی کے مولف رحیم بخش نے شاہ عبدالغنی کے تذکرہ میں یه الفاظ لکھے :

,,مجھے افسوس ہے که جناب شاہ عبدالغنی کے حالات زندگی کسی ایسے وسیلے سے دستیاب نہیں ہوئے جنھیں میں بے کم وکاست یقین کر سکتا ، یہی وجه ہے که میں ان واقعات کو بالکل قلم انداز کرتا ہوں ،،

حالانکه مولوی رحیم بخش دھلی میں سید احمد ولی اللہ کے پڑوس میں رھتے تھے ، وہ ولی اللہی اور ان کی تصنیفات سے ناواقف نہونگے، اس تعارف کے باوجود اس قسم کے الفاظ کا لکھنا بتا رھا ہے که مولف حیات ولی کو اس سلسله میں ولی اللہی کے بیانات و روایات پر اعتماد نہیں تھا ـ

شاہ عبدالغنی کے سنه وفات کی ایک اور روایت مولانا محمد ابراھیم میر سیالکوٹی کا یه قول ہے که :ـ

,,شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ ۲۸ برس کی عمر میں اس جہان فانی سے رخصت ھوگئے ،، (۱۳۰)

یعنی تقریباً ۱۱۹۸ ھ / ۸۴ ـ ۱۷۸۳ء میں ـ ممکن ہے یه روایت صحیح ھو مگر کسی اور ذریعه سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی ـ

شاہ صاحب کے سنه وفات کی تیسری روایت جناب غلام رسول مہر (۱۳۱) اور مولانا نسیم احمد فریدی (۱۳۲) کا یه انکشاف ہے که شاہ صاحب کی ۱٦ ـ رجب ۱۲۰۳ ھ ـ ۱۲ اپریل ۱۷۸۹ ء کو رحلت

ہوئی ، مہر صاحب کا مآخذ ہمیں معلوم نہیں ، مگر مولانا فریدی نے یہ اطلاع ایک پرانی تحریر سے اخذ کی ہے جو مولانا ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کے نجی ذخیرہ نوادر میں محفوظ ہے۔ تاہم یہ عنوان مزید تحقیق و جستجو کا منتظر ہے ، مگر فیصلہ کن مآخذ کی دریافت تک اسی موخر الزکر روایت پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

ازادواج و نکاح

مولوی علاء الدین پھلتی کی دختر بی بی فضیلت شاہ عبدالغنی سے منسوب ہوئی ، دو لڑکیاں رقیہ اور ام کلثوم ، اور ایک بیٹا اقبال و فخر روزگار فرزند حضرت شاہ محمد اسمعیل شہید جسمانی یادگار تھے۔ شاہ محمد اسمعیل کا مولوی محمد مصطفی کی دختر جمیلہ سے نکاح ہوا جو شاہ عبدالقادر کی نواسی تھیں ۔ ایک فرزند مولوی محمد عمر تھے جو ۱۲٦٨ ھ میں لاولد فوت ہوئے۔

حــوالے اور توضیحــات

۱ ـ شاہ ولی اللہ ، مقدمہ مصفی شرح مؤطا ص ۱۷ ج ۱ (بیروت : ۱۳۰۳ھ) نیز دیکھئے الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۲ (مطبع احمد دھلی : ۱۳۱۱ھ) .

۲ ـ الامداد فی ماثر الاجداد ـ غالباً حضرت شاہ ولی اللہ کے سفر حج سے پہلے مرتب ہوئی ـ انفاس العارفین میں شامل ہے ، مگر اس رسالہ کو ایک تاریخی دستاویز کے بجائے خاندانی روایات و یادداشت کے طور پر دیکھنا چاہیئے ـ انفاس العارفین میں شامل اور علیحدہ بھی متعدد خطی نسخے دستیاب ھیں، کئی بار شائع ہو چکا ہے صحیح ترین نسخہ مطبع احمدی دھلی کا وہ ایڈیشن ہے جو شاہ ولی اللہ کے رسائل کے مجموعہ میں شامل ہے اور انفاس العارفین مطبوعہ مجتبائی دھلی ۱۳۳۵ ھ کثیر الغلط ہے۔ الامداد کے متعدد ترجمہ بھی ہوئے ھیں راقم سطور کی معلومات میں ایوب قادری صاحب کا ترجمہ سب سے بہتر ہے مگر تعجب ہیکہ قادری صاحب نے مجتبائی نسخہ کو اساس بنایا ہے۔ راقم سطور نے الامداد کے متعدد نسخوں سے استفادہ کیا ہے۔

۳ ـ الامداد فی ماثر الاجداد (مشمولہ رسائل خمسہ شاہ ولی اللہ) (احمدی دھلی : بلا سنہ) ـ نیز دیکھیئے الامداد مشمولہ انفاس العارفین ص ۱۵۲ (احمدی دھلی : بلاسنہ) ـ خاندان ولی اللہی کا یہی نسب نامہ مرآۃ الانساب میں بھی شامل ہے مگر اس میں کئی غلطیاں ہو گئی ھیں ـ ماھان کی جگہ ھامان لکھا ہے ـ محمد شہر یار بن عثمان کو محمد بن شہریار بن عثمان دکھایا ہے ، اس ترتیب سے ایک واسطہ زیادہ ہو گیا ہے ـ اور عمر حاکم ملک ، اور فاروق کے درمیان عادل ملک کا واسطہ ترک ہوا ـ اس طرح یہ نسب نامہ مشکوک ہو گیا ہے ـ دیکھیئے مرآۃ الانساب ، تالیف ضیاء الدین علوی ص ۳۸ ـ ۳۹ (جے پور : ۱۳۳۵ھ)

۴ ـ الامداد فی ماثر الاجداد ـ مشمولہ انفاس العارفین (مجتبائی دھلی : ۱۳۳۵ھ)

۵ ـ الامداد مشمولہ انفاس العارفین ـ مکتوبہ سنہ ۱۲۳۹ ھ ـ ص ۱۲۲ (مخزونہ دار العلوم ، دیوبند) .

٦ ـ دیکھئے تاریخ الائمہ فی ذکر خلفاء الامہ مولانا سید محبوب علی جعفری دھلوی ـ نسخہ مؤلف مکتوبہ و مؤلفہ سنہ ۱۲۵۱ ھ (مخزومہ ھمدرد اسلامک انسٹی ٹیوٹ دھلی ـ فوٹو اسٹیٹ کاپی مملوکہ راقم سطور) ص ۵۸۹ ص ۷ ٦۰ صفحات کی یہ ترتیب ھمارے نسخہ کے مطابق ہے ـ

۷ ـ جناب محمود احمد عباسی نے اس نسب نامہ کو جوں کا توں نقل کر دیا ہے ـ تحقیق الانساب حاشیہ ص ۲۸۳ (دھلی : ۱۹۵۲ء)

۸ ـ ابن حزم ظاھری، جمہرۃ انساب ، ص ۱۵۳ (بیروت : ۱۳۰۳ھ)

۹ ـ مولانا جعفری کا بیان ہے کہ شاہ عبدالرحیم سے منسوب ایک خط میں بھی نسب نامہ کے آخری وسائط اسی طرح لکھے ھیں جس طرح الامداد میں ھیں ـ تاریخ الائمہ فی ذکر خلفاء الامہ ۔

۱۰ - شاہ ولی اللہ ، امداد مشمولہ رسائل خمسہ ص ۲

۱۱ - شروانی ، عبدالشاھد ، باغی ھندوستان - ص ٦٦ (لاھور : ۱۹۷۸ء) - نیز دیکھئے: العلامۃ فضل حق خیر آبادی حیاتہ و ماثر مع تحقیق کتابہ الثورۃ الھندیہ - ڈاکٹر قمر النساء ص ۳۲ - ۳۳(لاھور : ۱۹۸٦ء) - لیکن مولوی عبدالشاھد کی اکثر اطلاعات زبانی روایات پر مبنی ھیں ، ان کی تاریخی استنادی حیثیت خاصی مشتبہ ہے- ضرورت ہے کہ ان تمام روایات کا مفصل تنقیدی جائزہ لے کر خانوادہ خطیر الملک اور خاندان شیر ملک کے باھمی رشتوں کی تحقیق و جستجو کی جائے اور دونوں خاندانوں کے اسلاف کی خدمات اور تاریخ کو اور زیادہ واضح اور نمایاں کیا جائے مگر افسوس کہ حضرت علامہ خیر آبادی اور ان کے باکمال اھل خاندان پر اس وقت تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب عبد الشاھد خاں کی صدائے باز گشت، اور باغی ھندوستان کی ناقص معلومات کی تکرار ہے- کاش اس خاندان میں ان کے شایان شان کچھ کام ھوا ھوتا -

۱۲ - مولانا سید محبوب علی بن مصاحب علی جعفری دھلوی - ریواڑی (میوات) کے قدیم باشندے اور سادات کے اس قدیم خاندان کے چشم و چراغ تھے جس کا سلسلہ روابط میوات سے دھلی اور سونی پت تک پھیلا ھوا تھا - ۲۷ محرم سن ۱۲۰۱ کو تولد ھوئے (تاریخ الائمہ ص ۳۴۷) شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر سے تعلیم حاصل کی - شاہ محمد اسماعیل شہید کے رفیق و ھم سبق تھے - سلوک و معرفت میں شاہ عبدالقادر سے استفادہ کیا شاہ عبدالعزیز سے اجازت و خلافت پائی ، اولاً سید احمد شہید کے پر جوش معاون تھے جہاد میں شرکت کے لئے شعبان ۱۲۴۲ ھ صوبہ سرحد کے لئے روانہ ھوئے ، وھاں قیام کا کچھ زیادہ موقع نہیں ملا تھا کہ بعض مسائل پر سید احمد شہید سے اختلاف ھوا اور شروع سنہ ۱۲۴۳ میں دھلی واپس آ گئے - اختلاف کی تفصیل کا یہ موقع نہیں مگر یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس کی بنیاد ذاتی وجوھات تھیں - مولانا جعفری کے خلاف مزاج بعض واقعات کی وجہ سے اس میں تیزی آئی اور یہی واپسی کا سبب ھوئی ، اگرچہ مولانا نے دھلی آکر جہاد کی برملا مخالفت کی مگر شاہ اسمٰعیل شہید کی دعوت اصلاح و تجدید اور رد بدعات کے آخر وقت تک مناد و مبلغ رھے اس موضوع پر کئی کتابیں لکھیں، تقویۃ الایمان کا حاشیہ تصنیف کیا، مولانا شہید پر کئے گئے اعتراضات کے جواب دیئے اور تفسیر و فقہ کے موضوعات پر متعدد تصنیفات یادگار چھوڑیں -

مولانا کا سب سے اھم متھم بالشان کارنامہ تاریخ الائمہ فی ذکر خلفاء الامہ کی تالیف و تدوین ہے اس کتاب میں پھلی صدیٔ ھجری سے مصنف کے زمانہ تک کے علماء ، صلحاء اور سلاطین کے مختصر حالات قلم بند کئے گئے ھیں ، خاندان شاہ ولی اللہ کے متعلق بعض نادر معلومات، اور انساب کے بعض مباحث اس کتاب کا خاص حصہ ھیں - یہ کتاب عربی میں نو سو پتیس صفحات پر مشتمل ہے رمضان سنہ ۱۲۵۱ جنوری ۱۸۳٦ء میں اس کی تصنیف و کتابت مکمل ھوئی اور اس کا واحد معلوم نسخہ جو مولف کے قلم سے ہے ھمدرد اسلامک انسٹی ٹیوٹ نئی دھلی کے مجھلی شھر کلکشن میں محفوظ ہے اور اس کا مکمل فوٹو اسٹیٹ ھمارے ذخیرہ میں شامل ہے - مولانا جعفری کی دس ذی الحجۃ سنہ ۱۲۸۰ ھ - ۱۷ مئی سنہ ۱۸٦۳ء کو دھلی میں وفات ھوئی - یادگار دھلی سید احمد ولی اللھی ص ۹۲ اور نزھۃ الخواطر مولانا سید عبدالحی حسنی رائے بریلوی ص ۳۰٦ ، ج ۷ (حیدر آباد : ۱۳۷۸ھ) میں مولانا کا مختصر تذکرہ ملتا ہے -

۱۳ ۔ میر محبوب علی جعفری دہلوی ، تاریخ الائمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۶۰۸ ۔ فاروقیان خیر آباد میں معروف اس روایت سے مولانا جعفری کی تائید ہوتی ہے کہ ,, خطیر الملک بلخی از بلخ به بدایوں تشریف آوردند،،(مستفاد از مکتوب مولانا نجم الحسن خیر آبادی، بنام راقم سطور محررہ ۱۸ دسمبر ۱۹۸۶ء)

۱۴ ۔ شیخ شہاب الدین فرخ شاہ کابلی کے لئے جو فاروقیان ہند کے ایک وسیع اور لائق احترام سلسلہ کے جد اعلیٰ ہیں ، کہا جاتا ہے کہ وہ کابل میں سریر آ رائے حکومت تھے ۔ مگر بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی : ,, تاریخ اس فرخ شاہ پر کوئی روشنی نہیں ڈالتی لہذا اس کا مقام اور حیثیت ایک افسانہ بن کر رہ گیا ہے ،، احوال و آثار شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر ۔ ترجمہ قاضی محمد حفیظ اللہ ص ۳۴ (لاہور : ۱۴۰۳ھ)

۱۵ ۔ تاریخ الائمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۶۰۸

۱۶ ۔ آقائی عبدالحی حبیبی ، افغانستان بعد از اسلام ۔ جلد اول (کابل : ۱۳۴۵ھ) آقائی جبیبی نے لکھا ہے : والی سیستان و خراسان و ہرات از دربار ہارون ، در سنہ ۱۸۰ ھ ، ص ۳۱۳ ج ۱ ۔ نیز ,, کہتے ہیں ,, سکه هم دارد ص ۳۱۴،، .

۱۷ ۔ مثلاً : ابراہیم بن ہامان بن بہمن بن نسک (م سنہ ۱۸۸ھ) یعقوب سیرافی ابن ماہان ۔ ابو محمد عبداللہ بن حامد بن محمد ماہان اجہانی (م سنہ ۳۸۹) ۔ ابو الحسین محمد بن حسین بن محمد بن ماہیان (م ۳۴۳ھ) ۔ نیز ابو جعفر عیسی بن ماہان رازی م ۱۶۰ ھ ان کا بیٹا علی (م سنہ ۱۹۵ھ) اور پوتا حسین (م۱۹۶ھ) سب ابن ماہان کی کنیت سے متعارف ہیں ، ان کے علاوہ بھی متعدد مشاہیر اسی کنیت سے مشہور ہیں ۔

۱۸ ۔ ,, ہذہ النسبة الی ماہان وهم اسم لبعض اجداد المنتسب الیه وهم جماعة ،، ۔ الانساب ، سمعانی ص ۶۱ ، ج ۱۲ (حیدرآباد : ۱۴۰۱ھ)

۱۹ ۔ الامداد فی مآثر الاجداد (مشمولہ رسائل خمسہ) ص ۲

۲۰ ۔ ,,امراء کے طبقوں میں خان کا مرتبہ سب سے زیادہ ، اس سے کم ملک ، اور اس سے کم امیر کا سمجھا جاتا تھا ۔ صاحب مسالک البصار کی تحقیق کے مطابق خان کو زیادہ سے زیادہ نو جھنڈے اور امیر کو کم از کم تین جھنڈے ساتھ رکھنے کا حق تھا ، فوج کی تقسیم میں امیر کے تحت سو سوار ہوتے تھے ملک کے تحت ایک ہزار اور خان کے تحت دس ہزار ،، تاریخ فیروز شاہی برنی اردو ترجمہ ڈاکٹر معین الحق حاشیہ ص ۲۷ و ص ۱۱۲ (لاہور : ۱۹۸۳ء)

۲۱ ۔ الامداد ص ۲

۲۲ ۔ مولوی رضی الدین بسمل بدایونی، کنز التاریخ (تاریخ بدایوں) ۔ ص ۵۳ مگر مولوی رضی الدین نے اولیائے بدایوں پر اپنی کتاب تذکرۃ الواصلین (بدایوں : ۱۹۴۵ء) میں شیخ حسام الدین کا قطعاً کوئی ذکر نہیں کیا ۔

۲۳ ۔ اگرچہ ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں بدایوں میں حسام الدین نامی دو اور شخصوں کا ذکر ملتا ہے : شیخ جمال حسام الدین ملتانی متوفی سن ۶۸۷ھ ۔ ۱۲۸۸ء ۔ سیر العارفین شیخ جمالی ترجمہ پروفیسر محمد ایوب قادری ص ۱۹۳ (لاہور : ۱۹۷۶ء) ۔ اور ضیاء الدین برنی کے نانا حسام الدین جو بدایوں میں مقیم رہے ، ، اور برنی (ولادت تقریباً ۶۸۴ھ) کے سن شعور تک حیات رہے ، برنی ان کے حوالہ سے بعض روایات نقل کرتا ہے ، مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی تعمیر کا عہد ان لوگوں سے پہلے کا ہے اس لئے کم سے کم یہ دونوں اس مسجد کے بانی نہیں ہو سکتے ۔

۲۴ ـ محمد قاسم ، هندوستان فرشته، تاریخ فرشته ـ اردو ترجمه ص ۹۷، ج ۱(نولکشور لکهنو : ۱۹۳۳ء)
۲۵ ـ پروفیسر خلیق احمد نظامی ، تاریخ مقالات ـ ص ۳۰ ـ ۳۱ (دهلی : ۱۳۸۵هـ)
۲٦ ـ الامداد فی ماثر الاجداد ، ص ۲
۲۷ ـ پروفیسر منظور الحق صدیقی ، هادیٔ هریانه (احوال و سوانح شاه محمد رمضان مهیمی) ، ص ۱۰ ، (لاهور: ۱۹٦۳ء)
۲۸ ـ الامـــداد ، ص ۲
۲۹ ـ یه یادداشت خانواده ولی اللهی کے متعلق قیمتی معلومات پر مشتمل ہے اور سنه ۱۲۳۰ ـ ۱۲۳۳هـ کے درمیان کسی وقت مرتب هوئی ـ اگرچه اس کے مرتب کا نام معلوم نهیں مگر وه اس خاندان سے وابسته یا اس کے قریب ترین واقفین میں سے ہے ـ اس یادداشت کے دو نسخے راقم سطور کی نظر سے گزرے هیں ـ ایک کتب خانه مظاهر علوم سهارن پور میں ، اور ایک همدرد انسٹی ٹیوٹ لائبریری دهلی میں ـ اول الذکر نسخه مجموعه فتاوی و تحریرات حضرت شاه عبدالعزیز وغیره اخلاف شاه ولی الله ـ مرتبه کریم الله بن خلیل الله ڈار ـ مولفه سنه ۱۲۳۰ هـ میں شامل ہے ـ زیر تعارف نسخه فلسکیپ سائز کے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے اور میرا خیال ہے که خود مولف کے قلم سے ہے ـ اس کتاب کے بعض مشتملات کا فوٹو اسٹیٹ جس میں مذکوره یادداشت بهی شامل ہے همارے ذخیره میں محفوظ ہے ـ نسخه ثانی مجموعه فتاوی شاه عبدالعزیز ـ مکتوبه مولانا محمد مچهلی شهری (م سنه ۱۳۲۰هـ) میں شامل ہے ـ ورق ۴۷ ـ ۴۸ ـ زیر نظر صفحات ترتیب میں اول الذکر نسخه سے استفاده هوا ہے اور صفحات کی ترتیب مخطوطه کے صفحات کی مسلسل ترتیب کے مطابق ہے ـ
۳۰ ـ تاریخ الائمه فی ذکر خلفاء الامه ص ۵۸۹
۳۱ ـ واقعات دار الحکومت دهلی ـ مولوی بشیر الدین احمد ص ۳۲۳ ج ۳ ـ (آگره : ۱۳۳۷هـ) ـ مولوی بشیر الدین احمد نے جلال تبریزی نامی جس بزرگ کا ذکر کیا ہے وه حضرت شیخ شهاب الدین سهروردی کے خلیفه شیخ جلال تبریزی کے علاوه کوئی گمنام بزرگ تهے ، موخر الذکر اگرچه دهلی اور بدایوں میں قیام فرما رهے مگر ان کی وفات کامروپ (آسام) میں هوئی ـ ابن بطوطه اپنے سفر کے دوران کامروپ میں ان سے ملا تها ـ سفر نامه ابن بطوطه مع حواشی وتعلیقات خان بهادر محمد حسین ص ۳۸۳ ص ۳۸٦ (اسلام آباد : ۱۹۸۳ء)
۳۲ ـ احمد علی خیر آبادی کا قول ہے که اس جگه ایک قبر مولانا علاء الدین کرمانی سرسوی کی ہے ـ قصر عارفاں ، مرتبه ڈاکٹر محمد باقر ص ۳۸٦ اورینٹل کالج میگزین ـ لاهور ٦٦ ـ ۱۹٦۵ء
۳۳ ـ محمد ادریس خاں بریلوی ، مهر ولی گائڈ ، ص ۲۵۵ (بریلی : بلاسنه)
۳۴ ـ هادی هریانه ، پروفیسر منظور الحق صدیقی ص ۱۹ ص ۲۰ (لاهور : ۱۹٦۳ء) ـ صدیقی صاحب سے یه بهی معلوم هوا که شاه صاحب کا خاندان آخری دور میں رهتک میں بهوانی بس اڈه کے پاس گلی مسجد عاشق الهی میں رها کرتا تها ـ
۳۵ ـ تاریخ الائمه فی ذکر خلفاء الامه ص ۵۸۸
۳٦ ـ الامداد فی ماثر الاجداد ص ۲ ـ ۳
۳۷ ـ تاریخ الائمه فی ذکر خلفاء الامه ص ۵۸۹
۳۸ ـ ترجمه الامداد فی ماثر الاجداد بحواشی و توضیحات پروفیسر محمد ایوب قادری ماهنامه الرحیم ـ حیدر آباد سندهـ ص ۱۵ (جون : ۱۹٦۷ء)

۳۹ ـ اکبر شاہ خان نجیب آبادی ، الجزء اللطیف بحوالہ مرقاۃ الیقین فی حیاۃ نور الدین ، ص ۸۰، مشمولہ الانفاس العارفین ، ص ۲۰۲ ، (مجتبائی : ۱۳۳۵ھ)

۴۰ ـ شاہ عبدالرحمن خلف شاہ محمد عاشق پھلتی، مرتبہ مجموعہ مکتوب شاہ ولی اللہ ـ مکتوب نمبر ۱٦۷ ـ مخزونہ کتب خانہ دارَ العلوم ، دیوبند ، (فوٹو اسٹیٹ کاپی مملوکہ راقم سطور) ـ یہ مجموعہ مکتوبات دو جلدوں میں ہے جلد اول شاہ عبدالرحمن کی مرتبہ و مولفہ ہے جلد دوم شاہ محمد عاشق کی تالیف ہے جلد اول دو سو اکیاسی مکتوبات پر مشتمل ہے ـ دوسری جلد میں ستتر خطوط آئے ھیں ـ

۴۱ ـ حکیم محمود احمد صاحب برکاتی نے لکھا ہے : ,, شیخ عبیداللہ کی ایک صاحبزادی فاطمہ اور ایک صاحبزادہ شاہ محمد عاشق تھے ـ فاطمہ سے شاہ ولی اللہ کی شادی ہوئی اور ان سے صرف ایک صاحبزادہ شیخ محمد پیدا ہوا ,, شاہ ولی اللہ اور ان کاخاندان ص ۲۰ (لاھور : ۱۹۷٦ء) مگر یہ اطلاع درست نہیں ، صحیح یہ ہے کہ شاہ صاحب کی زوجہ اولی کا نام امت الرحیم، اور ایک صاحبزادی کا نام فاطمہ تھا ـ منشی فرحت اللہ پھلتی نے بھی یہی لکھا ہے اور اھل پھلت کے قلمی نسب ناموں سے بھی یہی معلوم ھوتا ہے ـ اور اس کی جزوی تصدیق خود شاہ صاحب کے مکتوبات سے ھو رھی ہے ـ

۴۲ ـ یہ خاندان سادات حسینی کی ایک شاخ، اور سید ناصر الدین سونی پتی کی اولاد میں ہے ، مگر خود سید ناصر الدین کا عہد اور ان کے حضرت حسین کے درمیان وسائط معلوم نہیں ـ احمد علی خیر آبادی نے سید ناصر الدین کے متعلق ایک طویل داستان لکھی ہے اور ان کو حضرت باقر بن زین العابدین کا بلا واسطہ فرزند قرار دیا ہے اور ان کا سنہ وفات سنہ ۱۳٦ ھ لکھا ہے ـ قصر عارفاں ص ۲۷۹ ص ۲۹۲ ـ نیز دیکھئے میخانہ درد ، سید ناصر نذیر فراق دھلوی ص ۲۱۳ تا ۲۲۵ (دھلی : ۱۳۴۳ھ) مگر خیر آبادی کی یہ روایت مسلمہ تاریخی شہادتوں اور اھل سیر کی تصریحات کے خلاف ہے ـ ملاحظہ ھو : تاریخ دعوت و عزیمت ، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ص ۱۰٦ ـ ۱۰۷ ، (لکھنو : ۱۴۰۳ھ)

۴۳ ـ خاندان شیر ملک ، اور سادات سونی پت نکاح و ازدواج کے سلسلہ سے مربوط تھے ، ان کی ابتداء کب ھوئی صحیح معلوم نہیں مگر دسویں صدی ھجری میں شیخ احمد بن محمود کا شاہ عبدالغنی سونی پتی کی دختر سے نکاح ھوا اور اس کے بعد خاندان ولی اللھی کے آخری معلوم عہد تک دونوں خاندانوں میں قرابت اور ازدواج و نکاح کے روابط تھے ـ

۴۴ (الف) شاہ صاحب نے تفہیمات الہیہ میں شاہ نور اللہ کو ایک ضرورت سے سونی پت بھیجنے کا ذکر کیا ہے ص ۱۵۲ ج ۲ (بجنور ۱۳۵۵ھ) ممکن ہے اس معاملہ سے اسی رشتہ کی سلسلہ جنبانی مراد ھو ـ

۴۴ (ب) ـ عبدالرحیم ضیا نے مقالات طریقت میں (مضمون جناب عضد الدین خاں ـ الفرقان لکھنو ص ۱٦ رجب ۱۹۸۵ء) اور مولانا عبدالحئی حسنی نے سید احمد ولی اللھی کے حوالہ سے بی بی ارادت کے والد ماجد کا نام سید ثناء اللہ لکھا ہے دلی اور اس کے اطراف ص ٦۸ (دھلی : ۱۹۵۸ء) مگر یہ روایات صحیح نہیں ـ خانوادہ ولی اللھی ص ٦۸ پر قدیم یادداشت میں شاہ صاحب کی زوجہ ثانیہ کو دختر سید حامد لکھا ہے اور سید احمد ولی اللھی نے بھی بقول حکیم محمود احمد صاحب برکاتی (شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان ص ۱۳۹) یہی لکھا ہے ـ

۴۵ ـ شاہ ولی اللہ نے شاہ عبدالرحیم کے حوالہ سے شرح جامی کی ایک بحث کا ذکر کرتے ھوئے لکھا ہے ,, و بشیخ حامد تقریر کردم،، انفاس العارفین ص ۳۰ (مجتبائی)

۴۶ ـ شاہ فخر العالم صاحب علم و ارشاد بزرگ تھے ، انھوں نے اپنے والد ماجد کے مکتوبات کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا. حضرت شاہ ولی اللہ نے شوارق المعرفہ میں شاہ ابو الرضا محمد کے جو مکتوبات نقل کئے ہیں وہ اسی مجموعہ سے ماخوذ ہیں اس مجموعہ مکتوبات کا واحد معلوم نسخہ شاہ محمد عاشق کے موئے قلم کی یادگار ہے اور اس کا فوٹو اسٹیٹ ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے ـ

۴۷ ـ حکیم محمود احمد برکاتی ، شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان ، ص ۱۲٦ ، ص ۱۳٦ .

۴۸ ـ ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۱۰۹ (میرٹھ : ۱۳۱۴ھ) سید احمد ولی اللھی نے ملفوظات شاہ عبدالعزیز احمد خانوادہ ولی اللھی سے منسوب بعض تصنیفات کو جعلی قرار دیا ہے ـ (انفاس العارفین مطبع احمدی دھلی) ، گزشتہ چند سال کے ولی اللھی کے اس بیان کی خاص شہرت ہوئی ، بعض اھل قلم نے اس اشتہادی تحریر کو غیر معمولی اھمیت سے نوازا ، اور اس کے حوالہ سے عجیب و غریب انکشافات کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے ـ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ولی اللھی کی یہ تحریر صرف معاصرانہ رقابت اور تجارتی چشمک پر مبنی ہے اور اس کی کوئی حقیقی علمی بنیاد موجود نہیں ـ تفصیلات ایک مستقل مقالہ کی متقاضی ہیں ـ زیر نظر سطور اس کا محل نہیں ـ

۴۹ ـ مضمون ـ مولانا نسیم احمد صاحب فریدی الفرقان لکھنو :

۵۰ ـ عبدالرحمن ، مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ ، مکتوب نمبر ۱٦۷ .

۵۱ ـ تاریخ الائمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۴۷۷

۵۲ ـ مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ ـ مکتوب ۱٦۷

۵۳ ـ مکتوب بنام راقم سطور ـ محررہ ۷ صفر سنہ ۱۴۰۷ھ ـ بحوالہ القول الجلی ـ القول الجلی فی مناقب الولی کا مکمل نسخہ مکتوبہ ۱۲۲۹ھ خانقاہ کاظمیہ قلندریہ میں موجود ہے اس نسخہ کے تعارف کے لئے دیکھئے مضمون : جناب ندیم حیدر کاکوروی ـ ماھنامہ قاری دھلی فروری : ۱۹۸٦ء اور ایک ناقص نسخہ خدا بخش لائبریری ـ پٹنہ میں ہے ـ مفصل تعارف کے لئے مطالعہ کریں ـ مضمون : جناب فضیل احمد قادری، ماھنامہ معارف ، اعظم گڑھ (شوال ـ جون ۱۴۰۷ھ ـ ۱۹۸۷ء) .

۵۴ ـ تذکرۃ الرشید (سوانح حضرت مولانا رشید احمد گنگوھی) حاشیہ ص ۳۰ ج ۱ (سہارنپور ۱۹۷۷ء)

۵۵ ـ مضمون جناب عضد الدین خاں ـ الفرقان لکھنئو ص ۱٦ (رجب ۱۳۸۵ھ)

۵٦ ـ مکتوب شاہ ولی اللہ بنام شاہ محمد عاشق ـ بیاض مولانا رشید الدین دھلوی ـ ورق ۹ ب (مخزونہ دار العلوم دیوبند فوٹو اسٹیٹ کاپی مملوکہ راقم سطور) نیز دیکھئے : حیات ولی ، مولوی رحیم بخش دھلوی ص ۲۹۰ (دھلی : ۱۳۱۹ھ)

۵۷ ـ غلام رسول مہر ، سید احمد شہید ، ص ۱۱۵ ج ۱ ـ (لاھور طبع اول بلاسنہ) نیز سیرت حضرت سید احمد شہید مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ص ۱۵۲ ج ۱ (لکھنو : ۱۳۹۷ھ)

۵۸ ـ شاہ محمد عاشق، مکتوبات شاہ ولی اللہ حصہ دوم ، مکتوب نمبر ۱۲ ورق نمبر ٦ (نسخہ مولف، مخزونہ دار العلوم دیوبند فوٹو اسٹیٹ کاپی مملوکہ راقم سطور) .

۵۹ ـ یادداشت ، مشمولہ مجموعہ تحریرات وفتاوی خانوادہ ولی اللھی ـ ص ۴۷۲

٦۰ ـ تاریخ الائمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۵۵۱ و ص ۵۹۱

٦۱ ـ مکتوب بنام شاہ محمد فایق ـ بیاض مولانا رشید الدین دھلوی ـ ورق ۱۳ ـ الف .

۶۲ ـ اس رسالہ کا شاہ صاحب کے تذکرہ نگاروں نے ذکر نہیں کیا اس کا ایک نسخہ حبیب کلکشن مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں ، اور ایک ناقص نسخہ شاہ محمد عاشق کے نقل کردہ مجموعہ میں شامل ہے مؤخر الذکر کا فوٹو اسٹیٹ ہمارے ذخیرہ کتب میں شامل ہے ـ

۶۳ ـ عبدالحئی حسنی ، نزهة الخواطر ، ص ۲۶۷ ، ج ۷

۶۴ ـ عجالہ نافعہ ص ۲۴ (مطبع مصطفائی لکھنئو : ۱۲۵۵ھ) نسخہ ذاتی ـ

۶۵ ـ مکتوب مولانا مجتبیٰ حیدر کاکوروی ـ بنام راقم سطور ـ بحوالہ القول الجلی ـ

۶۶ ـ دیکھئے : مکتوب شاہ ابو سعید بنام برادران خمسہ شاہ عبدالعزیز ، و مکتوب شاہ عبدالعزیز بنام شاہ ابو سعید رائے بریلوی زیر عنوان شاہ ابو سعید حسنی کے روابط شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان سے ـ مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی ـ (ماہنامہ الفرقان لکھنئو صفر ۱۳۸۵ھ)

۶۷ ـ شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان ص ۱۴۸

۶۸ ـ سید عبدالحئی حسنی ، دھلی اور اس کے اطراف ، ص ۶۸

۶۹ ـ خانوادہ ولی اللہی کی زیریں شاخیں اور ان کے نسبی سلسلے ـ ماہنامہ برہان دھلی ص ۳۰ (جنوری ۱۹۸۲ء)

۷۰ ـ نزهة الخواطر ص ۳۲۲ ج ۷

۷۱ ـ بڈھانہ ضلع مظفر نگر (یو پی) کی وسیع اور کشادہ مسجد سن ۱۱۰۸ ھ میں تعمیر ہوئی ـ مقامی روایات کے مطابق شاہ نور اللہ اور ان کے اہل خاندان اس کے اطراف میں آباد تھے مگر اب وہاں اس خاندان کا کوئی فرد باقی نہیں ـ

۷۲ ـ مضمون جناب عضد الدین خاں (الفرقان : رجب ۱۳۸۵ ھ) ـ

۷۳ ـ خانوادہ ولی اللہی کی زیریں شاخیں اور ان کے نسبی سلسلے برہان دھلی ص ۳۰

۷۴ ـ عاشق الٰہی ، میرٹھی ، تذکرۃ الرشید ، ص ۳۰ ، ج ۱ .

۷۵ ـ ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۱۰۹

۷۶ ـ ملفوظات شاہ عبدالعزیز تاریخ الائمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۷۴، شاہ صاحب نے تحفہ اثنا عشریہ کے کلمہ افتتاح میں یہی نام استعمال فرمایا ہے ـ

۷۷ ـ رسالہ صرف،فارسی منظوم ـ مخزونہ کتب خانہ مظاہر علوم سہارنپور ـ اس نسخہ پر کاتب کا نام اور سنہ کتابت درج نہیں مگر اس سے ملحق بعض رسائل و تحریرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا کاتب شاہ محمد اسحق کا شاگرد ہے ـ

۷۸ ـ تاریخ الائمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۸۴ نیز دیکھئے خاتمہ الطبع تفسیر عزیزی پارہ تبارک ۲۹ ص ۲۵۹ (کلکتہ ۱۲۴۸ھ)

۷۹ ـ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی ، مومن شخصیت اور فن ـ ص ۳۱۷ ـ ۳۱۸ ، (دھلی : ۱۹۷۲ء)

۸۰ ـ بیاض مولانا ابوالحسن حسن کاندھلوی (متوفی سن ۱۲۶۹ ھ ـ ۱۸۵۳ھ) ـ ورق ۱۳۴ ـ الف ـ یہ قطعہ تاریخ سب سے پہلے غالباً آثار الصنادید میں درج ہوا ، اور اس کے حوالے سے متاخر تذکروں میں نقل ہوتا رہا ، مگر کسی بھی تذکرہ نگار نے مولانا ابوالحسن کا نام نہیں لکھا ـ مولوی ابویحیی امام خاں سے اس کی نقل میں ایک دلچسپ غلطی ہوئی ہے دیکھئے تراجم علمائے اہل حدیث ہند ص ۸۵ (لاہور : ۱۳۹۱ ھ)

۸۱ ـ اوراق خود نوشت رنگیں ، مملوکہ راقم سطور ـ نیز یہ فقرات تاریخ،مجموعہ رنگین میں بھی شامل ہیں ـ دیکھئے : سعادت یار خاں رنگین ـ ڈاکٹر صابر علی خاں ص ۳۳۴ ص ۳۳۵ (کراچی : ۱۹۵۶ء)

۸۲ ـ یہ کتبات مولوی ممتاز علی میرٹھی نے نصب کرائے تھے اور رجب سنہ ۱۳۱۱ھ میں مزارات پر موجود تھے سیر دھلی ص ۳۷ مولوی محمد اکبر ابو العلائی دانا پوری (آگرہ : ۱۳۱۱ھ) مگر سید احمد ولی اللهی کا قول ہے کہ : ,, یہ تمام قبرستان نزول میں آ گیا تھا میں نے سنہ ۱۳۱۳ھ میں اس کی مرمت اور حد بندی کرائی ,, یادگار دھلی ص ۱۰۵ .

۸۳ ـ سر سید احمد خان ، آثار الصنادید ـ باب چہارم ص ۴۱ ، (لکھنو : ۱۹۰۰ء) .

۸۴ ـ رحیم بخش دھلوی ، حیات ولی ، سنہ ۱۹۰۱ء ، ص ۳۳۲ (دھلی : ۱۳۱۹ھ)

۸۵ ـ رحیم بخش دھلوی ، حیات عزیزی ، سنۂ ۱۸۹۹ء ص ۶۳ ـ ۶۴ (دھلی ، طبع اول بلاسنہ) نیز دیکھئے مجموعہ احوال و کمالات عزیزی سید احمد ولی اللهی ص ۳۰ (کراچی : ۱۹۷۳ء)

۸۶ ـ چند اور فقرات و قطعات تواریخ کے لئے دیکھئے : گنج تواریخ ، عبد الغفور نساخ ص ۲۷ (لکھنو : ۱۲۹۰ ھ) ـ ریاض النور مولوی نصیر الدین سلہٹی ص ۳۲ (کان پور : ۱۲۹۹ ھ)

۸۷ ـ تاریخ الائمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۴۷۷

۸۸ ـ شاہ محمد عاشق ، مکتوبات شاہ ولی اللہ ، مکتوب نمبر ۱۶

۸۹ ـ ماھنامہ برھان دھلی ص ۳۳ (جنوری ۱۹۸۳ء)

۹۰ ـ سید احمد ولی اللهی ، مجموعہ احوال و کمالات عزیزی ، ص ۳۱ .

۹۱ ـ بیاض مولانا رشید الدین دھلوی ـ ورق ۲۹ الف ـ اس کا ایک اقتباس مولانا نسیم احمد فریدی کے مضمون ,, سراج الهند حضرت شاہ عبدالعزیز ،، میں شامل ہے ـ الفرقان لکھنو ص ۵۰ (صفر ۱۳۸۸ ھ) .

۹۲ ـ یہ منشی فرحت اللہ پھلتی اور اھل پھلت کے نسب ناموں کے مطابق ہے ـ مگر سید احمد ولی اللهی نے زوجہ مولوی محمد عیسی کو دختر اول ، اور زوجہ محمد افضل کو دختر دوم لکھا ہے ـ مجموعہ احوال و کمالات عزیزی ص ۳۱ـ

۹۳ ـ ماھنامہ برھان ص ۳۳ (جنوری : ۱۹۸۲ء) زیر عنوان خانوادہ ولی اللهی کی زیریں شاخیں اور ان کے نسبی سلسلے ـ مرتبہ نور الحسن ارشد کاندھلوی ـ یہ مضمون خاندان حضرت شاہ ولی اللہ کی شاخ در شاخ تفصیلات پر مبنی ایک یادداشت ہے ، جو منشی فرحت اللہ بن سلیم اللہ پھلتی نے مولانا شاہ عبدالقیوم بڈھانوی کی ایماء پر سنہ ۱۲۸۳ھ میں مرتب ھوئی ، مولانا عبدالقیوم نے اس کو دیکھا اور اس کی تحسین فرمائی ـ پھلت (ضلع مظفر نگر) میں اس کے متعدد خطی نسخے موجود ھیں ـ راقم سطور نے اس کو دو نسخوں کی مدد سے مرتب کیا جو ماھنامہ برھان دھلی کی جنوری ـ فروری ۱۹۸۲ء کے شماروں میں شائع ھوا ـ فرحت اللہ پھلتی کا اس تحریر میں بار بار ذکر آئے گا اس سے یہی یادداشت اور مضمون مراد ھوگا ـ

۹۴ ـ بیاض مولانا ابوالحسن کاندھلوی ـ ورق ۱۳۳ ـ الف

۹۵ ـ شاہ عبدالرحمن ، مکتوبات شاہ ولی اللہ ، مکتوب نمبر ۱۷۲ .

۹۶ ـ مضمون مولانا نسیم احمد فریدی ـ الفرقان لکھنو ص ۲۵ ـ ۲۶ (ربیع الاول ۱۳۳۸ھ) اس خط کے مکمل متن کے لئے ملاحظہ فرمائیے بیاض مولانا رشید الدین دھلوی ـ ورق ۳۰ الف ـ

۹۷ ـ مکتوب بنام شاہ ابو سعید رائے بریلوی ـ ماھنامہ الفرقان لکھنو (صفر : ۱۹۸۵ء) جناب حکیم محمود احمد برکاتی نے اس خط کا ایک اقتباس نقل کرنے کے بعد اس کا سنہ کتابت ۱۱۷۹ لکھا ہے اور مکتوب المعارف کا حوالہ دیا ہے مگر یہ دونوں اطلاعیں صحیح نہیں اس خط میں سنہ تحریر درج نہیں اور ایسا کوئی قرینہ بھی نہیں جس کی بنا پر اس کا سنہ کتابت متعین کیا جا سکے ، نیز اس خط کا مکتوب المعارف سے کوئی تعلق نہیں ـ مکتوب المعارف شاہ ولی اللہ

اور شاہ ابو سعید رائے بریلوی کے مراسلات کا ایک مختصر سا مجموعہ جس کو مولانا ابو القاسم ھنسوی نے مرتب کیا اور وہ سنہ ۱۳۰۴ ھ میں مطلع الانوار سہارنپور سے شائع ہوا۔ اس مجموعہ میں شاہ عبدالعزیز کا کوئی خط شامل نہیں۔ شاہ صاحب کا محولہ بالا خط حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کے ذاتی ذخیرہ نوادرات کی زینت ہے۔

۹۸ ـ تاریخ الائمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۴۷، ص ۸۸۸ .

۹۹ ـ فہرست اردو مخطوطات رضا لائبریری رام پور۔ مرتبہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی ص ۲ (رام پور : ۱۹۶۷ء) بحوالہ دیوان عنبر قلمی مخزونہ رضا لائبریری .

۱۰۰ ـ ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۸۳ ص ۸۴ ص ۹۲

۱۰۱ ـ مولوی فقیر محمد جہلمی حدائق الحنفیہ ، مع حواشی و تکملہ خورشید احمد خاں ص ۴۸۷ (لاھور : طبع الاول بلاسنہ) جہلمی نے فقرہ تاریخ چشمہ فیض صحیح نقل کیا ہے مگر سن غلط لکھا ہے۔ نیز دیکھئے : تاریخ اولیائے صوبہ دھلی رکن الدین نظامی ص ۲۰۱ (دھلی : ۱۳۵۴ھ)

۱۰۲ ـ تراجم علمائے اھل حدیث ھند ص ۸۸ نیز ملاحظہ ھو : ھندوستان میں اھل حدیث کی علمی خدمات ، ابو یحیی امام خاں ص ۳۳ یادگار دھلی میں سہو کتابت کے سن ۱۲۳۳ھ کا سنہ ۱۷۳۳ ھ ھو گیا ص ۱۰۳ ـ

۱۰۳ ـ ماھنامہ برھان دھلی ص ۳۱ (جنوری : ۱۹۸۲ء)

۱۰۴ ـ دھلی میں مطبع احمدی کے نام سے متعدد پریس قائم ہوئے جن میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اور امو جان کے مطابع کو خاص شہرت حاصل ہوئی ۔ بعض مطابع کے تعارف کے لئے دیکھئے راقم سطور کا مضمون باقیات آزردہ مجلہ غالب نامہ نئی دھلی ، جنوری ۱۹۸۳ء حاشیہ ص ۲۱۰ ص ۲۱۱ مگر ولی اللھی کا مطبع ان مطابع میں شامل نہیں ، وہ نسبتاً چھوٹا اور متاخر مطبع تھا جو سید احمد ولی اللھی کی حیات میں ختم ھو گیا ہے تاھم اس مطبع نے حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادگان کی کتابوں کی نشر و اشاعت میں ناقابل فراموش خدمات انجام دی ھیں ـ زیر نظر سطور میں مطبع احمدی سے اسی مطبع کی مطبوعات کی جانب اشارہ ھوا ہے۔

۱۰۵ ـ ان معلومات کے لئے مولوی حکیم اختر الحق بن عبدالحی خلف منشی فرحت اللہ پھلتی کا شکریہ واجب ہے ، موصوف اسی خانوادہ کے ایک فرد ھیں ان کی دادی صاحبہ منشی فرحت اللہ کی اھلیہ مولوی محمد حسن کی دختر تھیں اس لئے ان معلومات کی بے حد اھمیت ہے اور اس میں شک و شبہ کا امکان کم سے کم ہے۔

۱۰۶ ـ یادگار دھلی ص ۱۰۴

۱۰۷ ـ تاریخ الائمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۵۴۷۔ یادگار دھلی ص ۱۰۳ ـ نیز میخانہ درد ص ۱۶۳ ـ ۱۶۴ .

۱۰۸ ـ شاہ ابو العدل یا عبدالعدل قرشی دھلوی ، حضرت خواجہ محمد زبیر مجددی کے خلیفہ اعظم اور جانشین تھے ، ولادت سنہ ۱۱۲۰ھ وفات ۱۲۰۴ ھ چراغ سے سن وفات معلوم ھوتا ہے۔ خانقاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں دفن ہوئے ـ راقم سطور کی حقیر معلومات میں مولانا جعفری واحد تذکرہ نگار ھیں جو ان کے سنین ولادت و وفات کا تذکرہ کرتے ھیں ـ (تاریخ الائمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۵۴۷) مزید معلومات کے لئے دیکھئے باب پنجم نور القلوب احوال و ملفوظات میاں شاہ آبادانی سیال کوٹی ـ تالیف امجد علی رضوی مولفہ سنہ ۱۲۲۶ ھ نور القلوب کا ایک نہایت عمدہ خوش قلم نسخہ مکتوبہ سنہ ۱۲۸۱ ھ پروفیسر نثار احمد فاروقی صدر شعبہ عربی دلی یونیورسٹی دھلی کے ذاتی ذخیرہ کتب میں محفوظ ہے اس نسخہ کے استفادہ کے لئے

فاروقی صاحب کا ممنون ہوں۔

۱۰۹ ۔ مولانا جعفری نے شاہ عبدالقادر کو شاہ ابو العدل کا خلیفہ اعظم (جانشین) لکھا ہے۔ (تاریخ الائمہ ص ۵۲) مگر اکبر شاہ ثانی کا بڑا بھائی شہزادہ منعم بخت ، اپنے پیر و مرشد مولانا شاہ کمال الدین کاندھلوی (برادر خورد مفتی الٰہی بخش) کو ,, سجادہ نشین حضرت شاہ محمد عبد العدل ,, کہتا ہے۔ ملاحظہ ہو انوار القلوب (جو مغلیہ عہد خصوصاً شاہ عالم کے دور کی مفصل تاریخ ہے) مولفہ سنہ ۱۲۵۵ھ مکتوبہ بعہد بہادر شاہ ظفر ، یہ ہمارے خاندانی کتب خانہ کا مخطوطہ ہے اور اس وقت دارالعلوم ، دیوبند میں محفوظ ہے۔

۱۱۰ ۔ یادداشت ملحق و مجلد مع تحریرات و فتاوی خانوادہ شاہ ولی اللہ ورق ۱۱۱ ۔

۱۱۱ ۔ تاریخ الائمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۵۹۔ اگرچہ مولانا جعفری نے ایک موقع پر شاہ صاحب کی تاریخ وفات ۱۳ رجب بھی لکھی ہے (ص ۴۷) ۔ مگر قدیم یادداشت اور خود مولانا جعفری کی تصریحات کی رو سے اول الذکر کو ترجیح حاصل ہے۔

۱۱۲ ۔ غلام رسول مہر ، سید احمد شہید ص ۱۱۶ ج ۱

۱۱۳ ۔ غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء ص۳۸۹، ج۲ (مطبع ہند لکھنو:۱۲۹۰ھ) وحدیقہ الاولیاء ص ۱۷ (نولکشور کانپور : ۱۲۹۴ ھ) حدیقہ الاولیاء تحقیق و تعلیق جناب محمد اقبال مجددی ص ۲۱۵ (لاہور : ۱۳۹۶ھ) نیز دیکھئے : تراجم علمائے اہل حدیث ص ۸۷، شاہ عبدالقادر کے مزار پر ایک عرصہ تک یہی سن وفات ۱۲۴۲ ھ کندہ تھا ۔

۱۱۴ ۔ ابو یحییٰ امام ، ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات ، ص ۳۳ (چیچہ وطنی ، ساھیوال: ۱۳۹۱ ھ)

۱۱۵ ۔ مولوی مصطفی خانوادہ ولی اللہی کے پہلے اور غالباً واحد شخص ہیں جن کا شعراء کے تذکروں میں ذکر آیا ہے۔ مولوی مصطفی اگرچہ علمی کمالات میں خاندانی روایات کے جامع نہیں تھے مگر تذکرہ نگاروں نے ان کے اخلاق اور خاندانی روایات کی حتی الامکان پاسداری برتنے کی تعریف کی ہے ، شعر و سخن میں ثناء اللہ فراق سے تلمذ تھا ، مزید معلومات کے لئے دیکھئے :

نواب مصطفی خاں شیفتہ ، گلشن بے خار ، ترجمہ احسان الحق فاروقی، ص ۱۳۷، (کراچی : ۱۹۶۲ء) .

مولوی کریم الدین پانی پتی ، طبقات شعرائے ہند ، ص ۳٦۰ (دھلی : ۱۸۴۷ء).

گلشن ہمیشہ بہار، مولانا نصر اللہ خان خویشگی ص ۲۲ (مطبع فتح الاخبار کول (علی گڑھ : ۱۲۷۰ ھ)

گلشن ہمیشہ بہار ڈاکٹر محمد اسلم فرخی ص ۹۳ (کراچی : ۱۹٦۷ء)

گلستان بے خزاں قادر بخش صابر۔ مرتبہ جناب خلیل الرحمن داؤدی ص ۳۳۳، ج۱ ۔ (لاہور: ۱۹٦٦ء) .

لالہ سری رام ، خمخانہ جاوید ، ص ۴۸ ، ج ۲ ، (دھلی : ۱۹۱۱ء)

بعض تذکرہ نگاروں نے بھی تحیر کا ذکر کیا ہے۔

۱۱٦ ۔ تاریخ الائمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۴۷ نیز فرحت اللہ پھلتی برہان دھلی ص ۳۰ (جنوری ۱۹۸۲ء)

۱۱٦(ب) ۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی نے تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ میں شاہ عبدالعزیز کا ایک ملفوظ نقل کیا ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنے چاروں صاحبزادوں کے

دستار فضیلت باندھ دی تھی ص ۳۱۰ (حیدر آباد ، دکن : ۱۹۳٦ء) مگر یہ خیال صحیح نہیں ۔ ملفوظ کی عبارت اس کی تردید کر رہی ہے تذکرہ شاہ ولی اللہ میں اس ملفوظ کے ابتدائی کلمات : ,, ہم چنانکہ بعد انتقال نم ،، ترک ہو گئے ھیں جس کی وجہ سے یہ غلط فہمی ہوئی۔

۱۱۷ ـ بیاض حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (م ۱۲۴۵ ھ ـ ۱۸۲۹ء) ورق ۵۳ ب ، (ذخیرہ ذاتی)

۱۱۸ ـ بیاض مولانا شیخ محمد تھانوی قلمی نسخہ مولف مملوکہ جناب ثناء الحق صدیقی کراچی ـ راقم سطور اس بیاض سے استفادہ اور اس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی کے لئے محترم صدیقی صاحب کا بے حد ممنون ہے ـ

۱۱۹ ـ یادداشت ملحق و مجلد مع مجموعہ تحریرات و فتاوی ص ۴۷۴ .

۱۲۰ ـ تاریخ الائمہ ، ص ۴۷

۱۲۱ ـ ابوالعلائی دانا پوری ، سیر دھلی ، ص ۴۷

۱۲۲ ـ دھلی اور اس کے اطراف ص ۳۵ نزھۃ الخواطر میں شاہ عبدالغنی کا تذکرہ شامل نہیں ـ

۱۲۳ ـ یادگار دھلی ص ۱۰۴ ، مولوی بشیر الدین احمد نے ولی اللہی کے یہی الفاظ واقعات دار الحکومت میں نقل کر دیئے ھیں ص ۵۹۰ ـ ج ۲ .

۱۲۳(ب) ـ مثلاً : مزارات اولیائے دھلی مولوی محمد عالم شاہ فریدی ص ۱۴ (دھلی ۱۳۳٦ھ) ـ تاریخ اولیائے صوبہ دھلی ص ۲۰۱ (دھلی : ۱۳۵۴ھ التمہید بتعریف ائمۃ التجدید ، مولانا عبید اللہ سندھی ص ۱۰۰ (جام شورو ـ سندھ : ۱۳۹٦ ھ) تراجم علمائے اھل حدیث ھند ص ۸٦ تاریخ دعوت و عزیمت ص ۳۳۵ ج ۵ ـ

۱۲۴ ـ سید احمد ولی اللہیؒ ، یادگار دھلی ، ص ۱۰۴

۱۲۵ ـ تاریخ الائمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۴۷

۱۲٦ ـ مولوی رحیم بخش نے لکھا ہے کہ ,, مولانا شہید کی تاریخ ولادت میں علماء کا باھم اختلاف ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ آپ ۱۲ ـ ربیع الثانی سنہ ۱۱۹۳ ھ کو پیدا ہوئے ،، ص ۳۵۳ حیات ولی ـ مگر راقم سطور کو ایسی کوئی شہادت میسر نہیں ہوئی جس میں کسی مورخ و تذکرہ نگار نے سنہ ۱۱۹۳ھ کے قول سے کسی معقول بنا پر اختلاف کیا ہو ـ میر شجاعت علی کے حوالے سے شوال سنہ ۱۱۹٦ ھ کی ایک روایت مہر صاحب نے نقل کی ہے ، مگر اس کو مہر صاحب نے خود لکھ دیا ہے ,, شایان توجہ نہیں ،، جماعت مجاھدین ص ۱۱۷ (غلام علی اینڈ سنز لاھور : بلاسنہ)

۱۲۷ ـ تاریخ الائمہ فی ذکر خلفاء الامہ ص ۴۷ لیکن حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے مولانا کرامت علی جونپوری کے حوالہ سے واقعہ بیعت کی جو تفصیل لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا شہید ، سید صاحب کی ٹونک سے واپسی کے بعد ان سے بیعت ہوئے تھے ـ سیرت سید احمد شہید ص ۱۳۵ ، ج ۱ ـ

۱۲۸ ـ احوال و کمالات عزیزی ص ۳۱

۱۲۹ ـ حیات ولی ص ۳۵۲

۱۳۰ ـ تاریخ اھل حدیث ص ۳۱۹ (دھلی ۱۹۸۳ء)

۱۳۱ ـ غلام رسول مہر ، جماعت مجاھدین ص ۱۱۷

۱۳۲ ـ نسیم احمد فریدی ، تذکرہ شاہ محمد اسمعیل شہید ، ص ۱۴ (لکھنو : ۱۹۷۷ء) .